اسلامی تحقیق کا مفہوم

مدعا اور طریقِ کار

Dr. Rafi ud Din



AUSTRALIAN ISLAMIC LIBRARY

www.australianislamiclibrary.org
www.facebook.com/australianislamiclibrary



“

[O You who Believe, fear Allah. And let every soul look to what it has sent on for tomorrow. Fear Allah, surely Allah is well-acquainted with what you do. And do not be like those who forgot Allah, so He made them forget their own souls. Such are the rebellious transgressors.]

(Al-Hashr 59:18-19)

قال رسول الله صلى الله عليه وسلم

كل معروف صدقة، والدال على الخير كفاعله

(البخاری ومسلم)

من دعا إلى هدى كان له من الأجر مثل أجور من تبعه لاينقص ذلک من أجورہم شيئاً

(مسلم)

وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوَىٰ ۖ وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ

جزاک الله

Support Australian Islamic Library reach all Muslims across the globe with essential Islamic information and be our partner in collecting provisions for the hereafter, inshaAllah.

Australian Islamic Library

www.australian***islamic***library.org
www.facebook.com/australian***islamic***library

اسلامی تحقیق کا مفہوم مدّعا اور طریق کار

ہمارے تحقیق اسلامی کے اداروں کے سامنے کرنے کا اصل کام

تحریر: ڈاکٹر رفیع الدین مرحوم

اسلامی تحقیق کے معنی:

اس وقت ملک میں اسلامی تحقیق کے کئی ادارے کام کر رہے ہیں، جن میں بعض حکومت کی سرپرستی میں ہیں اور بعض پرائیویٹ۔لیکن افسوس ہے کہ ابھی تک ہمارے ملک میں اسلامی تحقیق کا مفہوم واضح نہیں۔اسلام، جیسا کہ اسے حضور سرورِ کائنات ﷺ ہمارے پاس لائے ہیں، ان مقدس تعلیمات کا نام ہے جو قرآن اور حدیث میں موجود ہیں۔اس کا مطلب یہ ہے کہ ہمیں اسلامی تحقیق کی تعریف اس طرح کرنی چاہیے کہ اسلامی تحقیق وہ تحقیق ہے جس کا موضوع ہماری کتابوں کے وہ مشتملات ہوں اور جس کا مقصد یہ ہو کہ ان مشتملات کو لوگوں کے لئے زیادہ قابلِ فہم بنایا جائے۔

اس تعریف کی روشنی میں ہم بآسانی معلوم کر سکتے ہیں کہ اسلامی تحقیق میں کونسی چیزیں شامل ہیں اور کونسی شامل نہیں۔ مثلاً اس میں وہ سب تحریریں شامل ہوں گی جو مسلمان علماء (ا) ان مقدس کتابوں کے متعلق (ب) ان کتابوں کے متعلق جو ان مقدس کتابوں کے متعلق لکھی گئی ہوں، ماضی میں لکھ چکے ہیں یا آئندہ لکھیں گے۔ پھر چونکہ یہودی اور عیسائی مستشرقین نعمت ایمان سے بے نصیب ہونے کی وجہ سے ہماری مقدس کتابوں کو مقدس کتابوں کی حیثیت سے نہیں سمجھ سکتے اور ان سے توقع بھی نہیں جاسکتی کہ وہ ان کو مقدس کتابوں کے مقدس مشتملات کی حیثیت سے دوسروں کے اذہان کے قریب لانے کی کوشش کر سکتے ہیں، یا ایسا کرنے کی نیت ہی رکھ سکتے ہیں۔لہذا ظاہر ہے کہ اسلامی تحقیق سے وہ تمام تحریریں خارج سمجھی جائیں گی جو یہودی اور عیسائی مستشرقین ہماری کتابوں کے متعلق یا ان کتابوں کے متعلق جو ہماری مقدس کتابوں کے متعلق لکھی گئی ہوں، ماضی میں لکھ چکے ہیں یا آئندہ لکھیں گے۔

میکانکی اور اصلی اسلامی تحقیقات:

اسلامی تحقیق کی دو قسمیں ہیں، یا تو یہ میکانکی ہوتی ہے یا اصلی۔مثلاً مقدس کتابوں یا مقدس کتابوں پر لکھی ہوئی کتابوں

میں سے کسی کتاب کی کوئی لغات یا کوئی اشاریہ تیار کرنا، یا اس کے مشتملات کا ترجمہ کرنا، یا اس کو نئی ترتیب دینا یا ان کا اختصار لکھنا، یا کسی ایسے تاریخی قسم کے یا کسی اور نوعیت کے مواد کا، جو ان کے مضمون سے تعلق رکھتا ہو، اس غرض سے جمع کرنا کہ اس کے حوالے آسانی سے میسر آ جائیں، میکانکی اسلامی تحقیق ہے۔جبکہ مقدس کتابوں کے مضمون کی علمی تشریح یا تفسیر یا توسیع کرنا اصلی اسلامی تحقیق ہے۔اصلی اسلامی تحقیق میکانکی اسلامی تحقیق سے بدرجہا زیادہ اہمیت رکھتی ہے۔اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کا تعلق اسلام کے معنی یا اس کی روح سے ہوتا ہے۔اگر غور سے دیکھا جائے تو درحقیقت اسلامی تحقیق سے ایسی ہی تحقیق مراد ہے۔

اس قسم کی اسلامی تحقیق کے لئے تعلیماتِ اسلام کی گہری بصیرت کی ضرورت ہے اور اسلام کی ایسی بصیرت صرف اس عالم دین کا حصہ ہوسکتی ہے جو اسلام پر ایسا خالص اور پختہ ایمان رکھتا ہو کہ وہ خدا اور اس کے رسول ﷺ کی شدید محبت کی صورت اختیار کر لے، اور جو اسلام کے مذہبی اور اخلاقی ضبط اور نظم کو دل و جان سے قبول کر چکا ہو اور اس پر متواتر عمل پیرا ہو۔پھر یہ اس وقت تک ممکن نہیں ہوسکتی جب تک کہ کوئی عالم دین مقدس کتابوں کے بار بار مطالعہ سے ان کی روح میں نہ گھس جائے اور رسول اللہ ﷺ کی دلی اطاعت سے انسان اور کائنات کا وہی نظریہ پیدا نہ کر لے جو خدا نے آپ ﷺ کی معرفت ہم تک پہنچایا ہے۔ چونکہ اس قسم کی اسلامی تحقیق صرف خدا اور رسول ﷺ اور اسلام کی شدید محبت کے سرچشمہ سے پھوٹ سکتی ہے لہذا وہ دوسروں میں بھی اسلام کی محبت پیدا کرتی ہے۔اس قسم کی اسلامی تحقیق کی مثال شاہ ولی اللہؒ، غزالیؒ، رومیؒ، محی الدین ابن العربیؒ، ابن تیمیہؒ، حافظ ابن قیمؒ، مولانا اشرف علی تھانویؒ اور اقبالؒ ایسے حکمائے دین کی کتابیں ہیں۔

اسلامی تحقیق کے وظائف:

چونکہ اصلی اسلامی تحقیق ہمیشہ اسلام کی عقلی اور علمی بنیادوں کے خلاف زمانہ کے عقلی اور علمی چیلنج کا جواب ہوتی ہے لہذا وہ دو اہم وظائف ادا کرتی ہے۔ایک یہ کہ وہ ان فلسفیانہ افکار کا بالواسطہ یا بلاواسطہ ابطال کرتی ہے جو اس خاص زمانہ میں رواج پا کر مسلمان کے یقین و ایمان پر ایک مخالفانہ اثر پیدا کر رہے ہوں اور دوسرا یہ کہ وہ اسلام کی صداقت کو ثابت کرتی ہے اور تمام صحیح تصورات کو جو اس زمانہ میں دستیاب ہو سکتے ہوں، کام میں لا کر اسلامی افکار و اعتقادات کی مدافعت کرتی ہے۔یہ دو وظائف ادا کرنا اس کے لئے اس طرح ممکن ہوتا ہے کہ اسلام کا محقق اسلام کی شدید محبت اور اس کی صحیح تشریح اور تعبیر کرنے کی شدید خواہش کی وجہ سے ایک ایسا صحیح وجدان حاصل کر لیتا ہے اور اشیاء اور حقائق کے بارہ میں ایک ایسا صحیح نقطۂ نظر پیدا کر لیتا ہے جس کی وجہ سے وہ صحیح افکار کو غلط افکار سے بآسانی ممیّز کرنے کے قابل ہو جاتا ہے۔

میکانکی اسلامی تحقیق کے وظائف:

میکانکی اسلامی تحقیق کے لئے اسلام کی کسی بصیرت کی ضرورت نہیں ہوتی۔اور چونکہ یہ ضروری نہیں کہ وہ اسلام کی محبت کا نتیجہ ہو لہذا وہ نہ اسلام کی محبت کو منعکس کرتی ہے اور نہ اسے دوسروں میں پیدا کرسکتی ہے۔میکانکی اسلامی تحقیق کی اہمیت فقط یہ ہے کہ وہ اسلام کے عام طالب علم کے لئے اسلام کی مقدس کتابوں کا مطالعہ آسان کرتی ہے اور ان مقدس کتابوں کے مضمون کو اصلی اسلامی تحقیق سے دلچسپی رکھنے والے عالم دین کی آسان دسترس میں لاکر اس کی تحقیقی ضرورتوں کی خدمت اور اعانت کرتی ہے۔یوں سمجھ لیجئے کہ اصلی اسلامی تحقیق سے شغف رکھنے والا عالم ایک ایسا ماہرِ تعمیرات ہے جو ایک خوبصورت عمارت کا نقشہ تیار کر کے اسے تعمیر کی ساری منزلوں سے گزارتا ہے اور میکانکی اسلامی تحقیق پر کام کرنے والا پڑھا لکھا آدمی وہ جفاکش مزدور ہے جو تعمیر میں کام آنے والی اینٹوں کو ڈھو کر اس ماہر تعمیرات کے قریب لے آتا ہے۔

مستشرقی تحقیق:

ہوسکتا ہے کہ بعض وقت اسلام کی مقدس کتابوں پر خالص میکانکی تحقیق کا باعث یہ ہو کہ تحقیق کرنے والے کو اسلام سے محبت ہے،لیکن اس کے کامیاب تتبع کے لئے اسلام کی صداقت پر ایمان ویقین کی موجودگی ایک شرط کے طور پر قطعاً ضروری نہیں۔یہی وجہ ہے کہ دنیا بھر میں یہودی اور عیسائی مستشرقین بھی اسے بڑی کامیابی کے ساتھ چلا رہے ہیں۔اصل بات یہ ہے کہ اس کے اصلی موجد مغرب کے یہودی اور عیسائی مستشرقین ہی ہیں۔لیکن ایسی حالت میں اسے اسلامی تحقیق کا نام دینا ہرگز درست نہیں،کیوں کہ اس حالت میں یہ ایک وسیع تر تحقیق کا حصہ ہے جسے مستشرقی تحقیق کا حصہ کہا جاسکتا ہے،اور جسے مغرب میں علماء کے ایسے گروہ نے ایجاد کیا تھا جو اپنے آپ کو ''مستشرقین'' کا نام دیتا تھا کیونکہ وہ مشرقی ادب اور السنہ سے دلچسپی رکھتا تھا اور انہیں جاننا چاہتا تھا۔مستشرقی تحقیق سراسر ایک میکانکی عمل ہوتا ہے اور اس کا دائرہ کار یہ ہوتا ہے کہ ماضی میں عربی،فارسی،سنسکرت، چینی،انڈونیشی اور ترکی ایسی مشرقی زبانوں میں تاریخ،مذہب،فلسفہ،لغت،سائنس اور ادب وغیرہ کے موضوعات پر جو کتابیں لکھی گئی تھیں ان کا ترجمہ یا حاشیہ یا اختصار یا اشاریہ تیار کیا جائے یا ان کی تشریح یا توسیع یا تنقید بہم پہنچائی جائے۔

شروع میں اس تحقیق کے اغراض ومقاصد کلیتاً مشنری اور تبلیغی تھے۔اس کے بعد جب اروپائی طاقتیں مشرق میں اپنی نوآبادیاں بنانے لگیں تو اس کے اغراض ومقاصد تبلیغی ہونے کے علاوہ انتظامی اور سیاسی بھی ہوگئے۔مستشرقی مطالعات سے اہل مغرب کا ایک مقصد بلاریب یہ ہے کہ وہ اپنے ذوقِ دریافت کو مطمئن کریں اور ایک ایسی تہذیب کے مخفی آثار کو بے نقاب کر کے

اپنی تفریح کا سامان بہم پہنچائیں جو ان کے خیال میں ہمیشہ کے لئے مٹ چکی ہے اور اپنی جگہ اس تہذیب کو چھوڑ گئی ہے جو اس سے کئی درجہ بلند تر اور برتر ہے اور جس کے خود وہ علمبردار ہیں۔ان کا مقصد ویسا ہی ہے جیسا کہ ٹیکسلا کی کھدائی سے ہمارا ہے کہ ہم اس کے ذریعہ سے ماضی کے متعلق لوگوں کی معلومات کی خواہش کی تشفی کے لئے یا ان کی تفریح کا ایک شغل پیدا کرنے کے لئے ایک ایسی پرانی تہذیب کے دفن کئے ہوئے نشانات کو بے حجاب کرتے ہیں جو ہمیشہ کے لئے مٹ چکی ہے۔اب جبکہ مغرب کی تمام یونیورسٹیاں اپنے ہاں مستشرقی مطالعات کی کرسیاں قائم کرکے مستشرقی تحقیق کی سرپرستی کررہی ہیں،مستشرقی تحقیق مغرب اور مشرق دونوں میں ایک باعزت اور زرآفریں پیشہ بن گئی ہے۔وقت کے گزرنے سے مستشرقین نے مستشرقی تحقیق کا ایک خاص فن ایجاد کرلیا ہے جو ہمارے السنۂ شرقیہ کے طالب مغرب کی یونیورسٹیوں میں ان سے سیکھتے ہیں۔اب مشرق کی بہت سی یونیورسٹیوں میں بھی مشرقی علوم کی کرسیاں قائم ہوچکی ہیں اور یہ کرسیاں بالعموم ان لوگوں نے سنبھال رکھی ہیں جن کو مغربی مستشرقین نے مستشرقی تحقیق کے فن کی تربیت دی ہے۔لیکن جہاں تک اسلامی تحقیق کا تعلق ہے یہ فن اس کے میکانکی حصہ کے لئے کسی قدر سودمند ہو تو ہو ورنہ محض بیکار ہے۔

اسلام اور مسلمانوں کے خلاف تعصب:

عربی اور فارسی کی کتابوں پر،جو بالعموم مسلمانوں نے لکھی ہیں،مستشرقین کی تحقیق کا سبب نہ اسلام کی محبت ہے اور نہ مسلمان علماء اور فضلاء کی قدردانی،بلکہ صورتِ حال بالکل برعکس ہے۔ان مستشرقین کے دلوں میں اسلام اور مسلمانوں کے خلاف بالعموم ایک شدید قسم کا تعصب موجود ہوتا ہے۔لہذا جب بھی وہ ذرا اپنے میکانکی کام سے ہٹ کر مسلمانوں کے معتقدات اور نظریات کی توجیہ کرنے لگتے ہیں تو ان سے یہ توقع کرنا ہی عبث ہوتا ہے کہ وہ اسلام کے متعلق کوئی موافقانہ رائے قائم کریں گے۔یہی سبب ہے کہ ان کی تحقیق کا ایک حصہ اسلام اور مسلمانوں کے خلاف اعتراضات سے معمور ہے۔لہذا ہمارے لئے ضروری ہے کہ ہم ان کے کام کے اس حصہ کو نظر ثانی کے بعد ان کی غیر منصفانہ تنقید سے پاک کریں۔لیکن جس حد تک مستشرقین کے کام کی اس قسم کی نظر ثانی مسلمانوں کی ایسی تصنیفات کے متعلق ہوگی جو اسلام کے علاوہ اور موضوعات پر ہیں،ہم اسے میکانکی قسم کی اسلامی تحقیق بھی نہیں کہہ سکیں گے،بلکہ ہم اسے فقط ایسی مستشرقی تحقیق کا نام دے سکیں گے جو مسلمانوں کے ہاتھوں سے انجام پائی ہو۔اصل بات یہ ہے کہ مسلمانوں کی ایسی کتابوں پر،جو اسلام کے علاوہ اور موضوعات پر ہوں،مسلمانوں کی ساری تحقیق کو ہم مستشرقی تحقیق ہی کا نام دے سکتے ہیں۔

ایک غلط نام:

بدقسمتی سے اس دوسری قسم کی تحقیق کو بھی غلط طور پر اسلامی تحقیق کا نام دیا جاتا ہے اور وجہ یہ بتائی جاتی ہے کہ وہ مسلمانوں کی عربی اور فارسی کتابوں پر تحقیق ہے۔لیکن درحقیقت عہدِ قدیم کے مسلمانوں نے اسلام کے علاوہ اور موضوعات پر جو کتابیں لکھی ہیں ان کو اسلامی کتابیں کہنے کا جواز اتنا ہی ہے جتنا اس بات کا جواز کہ ہم ایک مسلمان کے ہاتھ کے بنے ہوئے میز کو اسلامی میز کہہ دیں۔اگر یہ کتابیں اسلامی کتابیں ہیں اور ان پر تحقیق اسلامی تحقیق ہے تو پھر اس زمانہ کے مسلمانوں نے اسلام کے علاوہ اور موضوعات پر جو کتابیں لکھی ہیں، کیا وجہ ہے کہ ہم ان کو بھی اسلامی کتابیں نہ کہیں اور ان پر تحقیق کو بھی اسلامی تحقیق کا نام نہ دیں! لیکن نہ ہم ان کتابوں کو اسلامی کتابیں کہتے ہیں اور نہ ان پر تحقیق کو اسلامی تحقیق کا نام دیتے ہیں، تو پھر ہم کو اس بات پر اصرار کیوں ہے کہ گزشتہ مسلمانوں کی لکھی ہوئی اس قسم کی کتابوں کو اسلامی کہہ کر پکاریں؟

آسمانی یا الہامی علم کے برخلاف ذہنی علم غلط بھی ہوسکتا ہے اور صحیح بھی، غیر واضح بھی ہوسکتا ہے اور واضح بھی، منظّم بھی ہو سکتا ہے اور غیر منظّم بھی۔لیکن ایسا نہیں ہوسکتا کہ وہ یہودی یا عیسائی یا اسلامی ہو۔علم ایک ناقابل تقسیم وحدت ہے۔وہ ایک ہی منبع سے صادر ہونے والا ایک ہی نور ہے جو کبھی ایک فرد پر اور کبھی دوسرے فرد پر، کبھی ایک قوم پر اور کبھی دوسری قوم پر اپنی خوشی سے چمکتا ہے۔ذہنی علم مذہبوں اور قوموں سے بالاتر ہے۔یہی وجہ ہے جو لوگ اس علم کی تحصیل یا تحقیق میں منہمک ہوتے ہیں وہ مذہب یا قومیت سے قطع نظر کر کے ایک دوسرے سے مستفید ہوتے رہتے ہیں۔

مستشرقی تحقیق کا ایک خاصہ:

چونکہ مستشرقی تحقیق فقط ایک میکانکی عمل ہوتا ہے اور اس کے پاس کوئی نئی چیز کسی کو دینے کے لئے نہیں ہوتی، اس کا ایک خاصہ یہ ہے کہ یہ چھوٹی چھوٹی باتوں پر بہت زور دیتی ہے، مثلاً ایک مستشرق اپنی پوری زندگی یہ ثابت کرنے پر صرف کردے گا کہ ایک مصنف یا اسکی کسی کتاب کا صحیح نام یہ ہے اور وہ نہیں، یا فلاں شخص جس مقام پر پیدا ہوا تھا وہ فلاں گاؤں سے اتنے میل شمال کو تھا اور جنوب کو نہیں، یا جس تاریخ کو پیدا ہوا تھا وہ پانچ دن پہلے تھی اور پیچھے نہیں۔اگرچہ وہ شخص خود ایک عالم کے طور پر کوئی اہمیت نہ رکھتا ہو اور بالکل اس قابل ہو کہ فراموش کر دیا جائے، لیکن وہ اس لئے اہم سمجھا جاتا ہے کہ کسی پرانی کتاب میں اس کا نام آ گیا ہے۔

مسلمان مستشرق کا اصلی کام:

اگر مستشرقی تحقیق کا مقصد یہ ہوتا کہ مشرق کے گزشتہ علماء اور فضلاء کے علمی کارناموں کا اجاگر کیا جائے (اور اس میں شک نہیں کہ ابھی زیادہ عرصہ نہیں گزرا کہ مشرق علوم وفنون میں کرۂ ارض کا سب سے زیادہ ترقی یافتہ حصہ تھا) اور اس کا تعلق دورِ حاضر کی علمی ترقیوں کے ساتھ واضح کیا جائے تو پھر بھی یہ اسلامی تحقیق کا کام نہ ہوتا۔اگرچہ یہ عمومی طور علم کی بہت بڑی خدمت ہوتی، کیوں کہ اس سے نوع انسانی کی علمی جدوجہد کے ماضی کو اس کے حال کے ساتھ جوڑ کر اس کے تسلسل کو آشکار کرنے میں مدد ملتی ہے۔لیکن اس وقت مستشرقی تحقیق کا کام نہ مغرب میں ان خطوط پر ہو رہا ہے اور نہ مشرق میں۔اس میں شک نہیں کہ یہ کام بہت مشکل ہے کیوں کہ اس کے لئے نہ صرف عہد قدیم کی علمی دنیا سے بلکہ عصر حاضر کی علمی دنیا سے بھی پوری طرح باخبر ہونا ضروری ہے۔لیکن یہ وہ اصلی کام ہے جو مستشرقین کو، بالخصوص مسلمان مستشرقین کو سرانجام دینا چاہیے۔

آخر جہاں تک ہم مسلمانوں کا تعلق ہے، ہمارا مقصد علم کی جستجو ہونا چاہیے نہ کہ مشرقی علوم کی جستجو، علم نہ مشرقی ہوتا ہے نہ مغربی۔کم از کم ہمارے بزرگوں نے علم کی کوئی ایسی تقسیم نہ کی تھی اور نوع انسانی کے جن بیش بہا علمی کارناموں کا سہرا آج ان کے سر باندھا جا رہا ہے اس کی وجہ یہی ہے۔اگر درخشندہ علمی ستاروں کا وہ طویل وعریض جم گھٹا جو مسلمان علماء اور فضلاء پر مشتمل تھا اور اب غائب ہو چکا ہے، یکایک پھر زندہ ہو جائے تو وہ سب بلاتوقف اس بات کی کوشش کریں گے کہ مغرب کے سارے علوم کو سیکھ کر ان کے ماہر بن جائیں۔اگر مستشرقی تحقیق سے مدعا فی الواقع علم کی جستجو ہے تو یہ بات اس مدعا سے زیادہ مناسبت رکھتی ہے کہ ایسی تحقیق یا ایسے مطالعہ کے لئے مستشرقی کا اور مسلمان علماء کے لئے لفظ مستشرقین کا استعمال بالکل ترک کر دیا جائے۔ان الفاظ کا استعمال ہم نے درحقیقت اہل مغرب کی کورانہ تقلید میں شروع کیا تھا جو مغرب میں رہتے ہیں اور اپنا ایک مستقل مشرق رکھتے ہیں۔ہم مشرق میں بھی رہتے ہیں اور مغرب میں بھی تمام زبانیں ہماری ہیں۔دنیا بھر میں مشکل سے کوئی ایسی زبان ہوگی جو کم از کم چند مسلمانوں کی مادری زبان نہ ہو۔تمام صحیح علم، جو مشرق یا مغرب میں آج تک پھیلا ہوا ہے، ہمارا ہے کیونکہ ہمارے خدا کی کائنات کا علم ہے۔یہ زیادہ مناسب ہوگا کہ ہم ''مستشرقی تحقیق'' کے نام کو ''علوم قدیمہ ووسطیٰ کی تحقیق'' کے نام سے بدل دیں اور اس کے دائرہ کار کو وسعت دے کر اس میں ان کتابوں پر تحقیق کو بھی شامل کر لیں جو قدیم زمانہ میں نہ صرف عربی، فارسی، سنسکرت، چینی اور ترکی ایسی زبانوں میں لکھی گئی تھیں، جن کو مشرقی زبانیں کہا جاتا ہے بلکہ لاطینی اور یونانی ایسی قدیم اروپائی زبانوں میں بھی لکھی ہوئی موجود ہیں۔

مستشرقی تحقیق اسلامی تحقیق نہیں ہے:

بہر حال مستشرقی تحقیق اور اسلامی تحقیق میں کوئی قدر مشترک نہیں اور مستشرقی تحقیق کو اسلامی تحقیق سے قطعی طور پر الگ رہنا چاہیے۔ جیسا کہ مغرب میں دستور ہے، ہمیں چاہیے کہ ہم اس کو اپنی یونیورسٹیوں کے السنۂ شرقیہ کے شعبوں کے اندر محدود کر دیں۔ اسلامی تحقیق کا کوئی ادارہ اپنے نام اور کام کے ساتھ ہم آہنگ رہتے ہوئے اس سے کوئی سروکار نہیں رکھ سکتا۔

میکانکی اسلامی تحقیق اور اصلی اسلامی تحقیق بعض اوقات ایک دوسرے کے اوپر منطبق ہو جاتی ہیں:

بعض اوقات اصلی اسلامی تحقیق اور میکانکی اسلامی تحقیق ایک دوسرے کے اوپر منطبق ہو جاتی ہیں، جس کی وجہ سے اصلی تحقیق کی کسی پیداوار کے اندر مقدس کتابوں کے مشتملات کی ترتیب نو یا ترکیب جدید کی صورت میں میکانکی تحقیق کے عناصر شامل ہو جاتے ہیں یا میکانکی تحقیق پر ان مشتملات کی تشریح یا تفسیر کا بھی ایک رنگ چڑھ جاتا ہے۔ تاہم اسلامی تحقیق کی کسی پیداوار کی قدر و قیمت کا انحصار اس بات پر ہوگا کہ اس میں اصلی اسلامی تحقیق کا عنصر کس قدر موجود ہے۔ اگر اس میں درستی اور علم کے اعتبار سے بلند معیار رکھنے والی اصلی اسلامی تحقیق کا عنصر زیادہ ہوگا تو اس کی قدر و قیمت بھی زیادہ ہوگی۔ یہی سبب ہے کہ اقبالؒ، ابن تیمیہؒ، شاہ ولی اللہؒ، غزالیؒ، رومیؒ اور محی الدین ابن عربیؒ کی اسلامی تحقیق دوسرے سینکڑوں علماء متقدمین و متاخرین کی تحقیق سے بدرجہا زیادہ قیمتی سمجھی جاتی ہے۔ ان میں سے ہر عالمِ دین نے اپنے زمانے میں اسلام کی وہ جدید علمی اور عقلی تشریح بہم پہنچائی ہے جس کی اُس زمانہ میں لوگوں کو ضرورت تھی۔ اقبال نے اسلام کی جو تشریح کی ہے اس کی شدید ضرورت کا زمانہ ابھی موجود ہے۔

وحی اور عقل:

سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس بات کی ضرورت ہی کیا ہے کہ عقلی اور علمی نقطۂ نظر سے اسلام کی کوئی تشریح کی جائے اور بار بار کی جائے۔ کیا یہ بات صحیح نہیں کہ قرآن اور حدیث دونوں مل کر انسانی افراد کے اعتقاد و عمل کی راہ نمائی کرنے کے لئے پوری طرح کافی ہیں۔ کیا قرآن اور حدیث نے پہلے ہی ضروری حد تک اپنے مطالب کی وضاحت نہیں کر دی؟ کیا ہمیں اس بات کی ضرورت ہے کہ ہم خدا کی وحی کے فرامین اور خدا کے رسول کے ارشادات میں ایک پچر اپنی طرف سے بھی لگائیں اور ان میں اپنی انسانی سمجھ بوجھ اور انسانی عقل و فراست کی بنا پر بھی کچھ باتوں کا اضافہ کریں تاکہ وہ زیادہ قابل فہم اور زیادہ مفید بن جائیں، بالخصوص اس حقیقت کے پیش نظر کہ ہم کو اچھی طرح سے معلوم ہے کہ انسان کی ہدایت کے ایک ذریعہ کے طور پر انسانی عقل خدا کی وحی کے مقابلے میں کوئی حیثیت نہیں رکھتی۔

یہ بات بالکل درست ہے کہ خدا کی وحی کے مقابلہ میں عقل انسانی کا ہرگز کوئی مقام نہیں کہ وہ انسان کو یہ بتا سکے کہ انسان اور کائنات کی حقیقت کیا ہے اور اس حقیقت کی روشنی میں انسانی فرد اور جماعت کو اپنی عملی زندگی کی تشکیل کس طرح کرنی چاہیے۔ اس کے باوجود خدا کی وحی اور انسانی عقل کے درمیان ایک ایسا قدرتی رشتہ ہے جو ٹوٹ نہیں سکتا اور جس کی بنا پر ذیل کے حقائق بالکل درست اور ہر قسم کے شکوک وشبہات سے بالا ہیں۔

اول: یہ کہ ہم خدا کی وحی کو اس وقت تک قبول نہیں کر سکتے جب تک کہ ہماری عقل اس وجدان یا یقین کی طرف راہ نمائی نہ کرے کہ وہ درحقیقت خدا کی وحی ہے اور حق ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن حکیم نے انسان کو عقل سے کام لینے کی بار بار ہدایت کی ہے۔ کیا یہ حقیقت نہیں کہ ہم ہر مدعی نبوت کو نبی نہیں مانتے اور جھوٹے اور سچے نبی میں اپنی عقل کو کام میں لا کر فرق کرتے ہیں؟

دوم: یہ کہ خدا کی وحی ایسے الفاظ پر مشتمل ہوتی ہے جو آخر کار ضبطِ تحریر میں آ جاتے ہیں اور ایک خارجی وجود رکھتے ہیں۔ اس سے پہلے کہ کوئی پڑھنے والا یا سننے والا ان الفاظ پر ایمان لائے اور ان کے مطابق عمل کرے۔، یہ ضروری ہے کہ وہ اس کے ذہن کے اندر کسی مطلب یا معنی یا مدعا میں تبدیل ہوں۔ جب تک کہ وہ خارجی حقیقت سے ایک داخلی احساس میں تبدیل کرنے والے اس عمل میں سے نہیں گزرتے (اور یہ یاد رہے کہ تبدیلی کا عمل سراسر ذہنی اور انسانی ہے، خدائی یا آسمانی نہیں) دوسرے لفظوں میں جب تک کہ وہ ایک علمی اور عقلی توجیہہ کا لباس نہیں پہن لیتے اس وقت تک نہ تو وہ ایمان پیدا کر سکتے ہیں نہ عمل۔ یہی سبب ہے کہ ایک ہی وحی کا اتباع کرنے والے لوگوں کے اعتقادات اور اعمال مختلف ہیں۔ اور اسلام، جو ایک ہی ہے، مذہبی فرقوں اور مذہبی تحریکوں میں اس قدر بٹا ہوا ہے۔ کیا یہ حقیقت نہیں ہے کہ ہم قرآن حکیم کے مطالب کو سمجھتے اور سمجھاتے اور سیکھتے اور سکھاتے ہیں۔ ہمارے اس فعل کا مطلب یہ ہے کہ ہم قرآن کے الفاظ کو اس علمی اور عقلی توجیہہ کا لباس پہنانا چاہتے ہیں جو ہمارے خیال کے مطابق ان کی اپنی صحیح توجیہہ ہے۔

سوم: یہ کہ خدا کی وحی ہمیں انسان اور کائنات کی حقیقت کے متعلق ایک صحیح نظریہ عطا فرماتی ہے اور فلسفہ کی صورت میں انسان کی عقل بھی انسان اور کائنات کا صحیح نظریہ بہم پہنچانے کی کوشش کرتی ہے۔ عقلِ انسانی کا یہ وظیفہ جو اس نے خود بخود اپنے لئے تجویز کر لیا ہے، بیک وقت خدا کی وحی کا وظیفہ بھی ہے۔ لہٰذا عقل انسانی خدا کی وحی کے بیانات قبول کر لینے کے بعد بھی ان کو زیر غور لانے کی طرف مائل رہتی ہے۔ یہ چاہتی ہے کہ جن سوالات کا قطعی جواب خدا کی وحی پہلے ہی دے چکی ہے یہ ان سوالات کا کوئی ایسا جواب بھی ڈھونڈ نکالے جو اس کے اپنے لئے بھی مکمل طور پر تسلی بخش ہو۔ مثلاً ایک سوال ہے کہ کیا خدا فی الواقع موجود ہے؟ ایک آدمی اس سوال کے اس جواب پر جو خدا کی وحی نے دیا ہے، مکمل یقین اور ایمان رکھ سکتا ہے۔ لیکن اس

کے باوجود ایک انسان کی حیثیت سے یعنی ایک دارائے عقل وفہم وجود کی حیثیت سے اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ اس سوال کا جواب بھی اپنے پاس موجود رکھے جو اس کی عقل اس کے لئے مہیا کرتی ہے۔ لیکن جب وہ ایسا کرے گا تو وہ مجبور ہوگا کہ دونوں کے جوابات کے اندر مطابقت پیدا کرے اسے قائم رکھے۔ ورنہ وہ دونوں سے پوری طرح مطمئن نہ ہو سکے گا۔

علمی ترقی کے ہر نئے دور میں اسلام کی نئی عقلی توجیہہ کی ضرورت:

نوع انسانی کا ذہنی علم ہمیشہ ترقی کرتا رہتا ہے اور نئے حکیمانہ افکار کے اس مجموعہ کے اندر کو کسی دور میں رونما ہوتا ہے، حق باطل کے ساتھ ملا ہوا ہوتا ہے۔ لہذا ہر دور میں اس بات کی ضرورت ہوتی ہے کہ اصلی اسلامی تحقیق کی طرف رجوع کر کے حق کو باطل سے الگ کیا جائے اور غلط اور مخالفِ اسلام حکیمانہ تصورات کی تردید کی جائے اور صحیح اور موافق اسلام حکیمانہ تصورات کو کام میں لا کر اسلام کی تائید مزید اور حمایت اور مدافعت کی جائے۔ ہر دور میں اصلی اسلامی تحقیق کے ماہرین کے لئے یہ اہم کام موجود ہوتا ہے کہ وہ اپنے زمانہ کے نئے علمی افکار کے دانہ کو کاہ سے الگ کریں، دانہ کو کام میں لائیں اور کاہ کو پھینک دیں کہ ہوائیں اس کو اڑا کر لے جائیں۔

دورِ حاضر میں اسلام کو حکیمانہ افکار کا چیلنج:

تاہم علمی ترقی کے کسی دور میں بھی اسلام کو حکیمانہ افکار کی طرف سے ایسا زوردار اور خطرناک چیلنج کبھی نہیں دیا گیا جیسا کہ اب دورِ حاضر کے حکیمانہ افکار نے دیا ہے۔ اس وقت فلسفی، ماہر تاریخ، ماہر اقتصادیات، ماہر معاشیات اور ماہر نفسیات سب مل کر اسلام کی جڑوں پر حملہ کر رہے ہیں۔ میکانکی ارتقاء، تحلیل نفسی، حکمیاتی سوشلزم، تاریخی مادیت، منطقی اثباتیت، کرداریت اور موجودیت کے نظریات، جن کی مقبولیت اس زمانہ میں ہر روز بڑھتی جا رہی ہے اور جو نوع انسانی کے اعمال وافعال کو نہایت تیزی سے متاثر کر رہے ہیں، ہمارے مذہب کی بنیادوں کو غلط قرار دے رہے ہیں۔ اگر ہم ان نظریات کے علمی چیلنج کا مؤثر جواب نہ دیں اور ان کی یقین افروز تردید نہ کریں تو ہم مسلمان کی حیثیت سے زندہ نہیں رہ سکتے۔ اور ان نظریات کا جواب دیتے ہوئے ہمیں اس بات کو بھی یاد رکھنا ہوگا کہ ہمارا جواب دورِ حاضر کے علمی معیاروں پر پورا نہ اتر سکے اور اپنے استدلال کے حقائق اور تکنیک اور طریقہ سے دنیا بھر میں چوٹی کے علماء اور حکماء کو مطمئن نہ کر سکے تو وہ ہرگز کوئی جواب نہ ہوگا۔ اس قسم کا جواب علماء کرام نے ابھی تک پیدا نہیں کیا۔ کہاں ہیں وہ بزرگانِ دین جن کو خدا نے مسلمانوں کی قیادت کے بلند مقام پر فائز کیا ہے اور جن کے نورِ ایمان اور زورِ قلم نے قرآن کی تفسیروں اور اسلامی کتابوں کے قابل قدر ذخیروں کا ڈھیر لگا دیا ہے۔ وہ کیوں اس خطرہ کو محسوس نہیں کرتے؟ افسوس کہ وہی علماء دین جو کل تک اسلام اور کفر کی جنگ میں ہر محاذ پر اسلام کی مدافعت کے لئے پیش پیش رہتے

تھے آج سو گئے ہیں اور اسلام کو جو نیا خطرہ درپیش ہے، مسلمانوں کی آئندہ نسلوں کو اس کے مقابلے کے لئے تیار کرنے کی کوشش کرنا تو درکنار اس کا ذکر تک نہیں کرتے۔ گویا اس کی موجودگی سے ہی ناآشنا ہیں۔

نتیجہ یہ ہے کہ غیر مسلم مفکرین بھی، جو ہمارے مخالف ہیں، اس خطرہ سے ہماری غفلت اور اس کے مقابلے میں ہماری عافیت کوشی اور سہل انگاری پر ہمیں طعنہ دے رہے ہیں۔ پروفیسر ڈبلیو ڈی سمتھ اپنی کتاب ''ماڈرن اسلام ان انڈیا'' (Modern Islam in India) میں لکھتا ہے:

جہاں دس یا بیس سال پہلے بازاروں کے موڑوں پر مذہبی مناظرے ہوا کرتے تھے اور تعلیم یافتہ مسلمان افکارِ جدید کے متعلق کتابیں پڑھ پڑھ کر اپنا سر کھپاتے تھے، آج مسلمان نوجوان ان علمی مشکلات سے بے خبر اور بے پرواہ ہے جو زندگی کے صحیح راستہ کی حیثیت سے مذہب کو پیش آتی ہیں۔ ہم دیکھ چکے ہیں کہ کس طرح سے آزاد خیال مسلمانوں نے ان اعتراضات کا قریباً مکمل جواب دیا جو عیسائیوں نے اسلام پر وارد کئے تھے۔ آج تجدد پسند مسلمان اس جواب کو کافی سمجھتا ہے اور کوئی مسلمان ایسا پیدا نہیں ہوتا جو جواب دینا تو درکنار ان اعتراضات کا فقط ذکر ہی کرے جو اس زمانہ میں فلسفی، مؤرخ، ماہر نفسیات اور ماہر اجتماعیات نے اسلام پر اور سارے مذہب پر وارد کر رکھے ہیں۔ جس طرح انیسویں صدی کے کٹر مسلمان، جو عیسائیوں اور آزاد خیال مغربیوں کے اعتراضات کا جواب دینے سے انکار کرتے تھے اور سر سید احمد اور امیر علی کو ان کا جواب دینے کی وجہ سے برا سمجھتے تھے، معاشرتی قدامت پسندی کا سہارا تھے اسی طرح سے وہ مسلمان بھی جو ان جدید اعتراضات کا جواب دینے سے قطع نظر کرتے ہیں ان جماعتوں کی ہی اعانت کر سکتے ہیں جو معاشرتی اعتبار سے قدامت پسند ہیں۔

مسلمانوں سے عصرِ جدید کے انسان کا مطالبہ:

اسلام نے دورِ جدید کے انسان کے ذہن میں بہت سے سوالات پیدا کر دیئے ہیں اور وہ مسلمانوں سے مطالبہ کر رہا ہے کہ وہ ان کا ایک ایسا جواب مہیا کریں جو مدلل اور حکیمانہ ہو اور اس قابل ہو کہ ایک ذہین اور تعلیم یافتہ آدمی کو قائل کر سکے۔ ان میں سے بعض سوالات یہ ہیں:

۱۔ کیا یہ بات درست نہیں کہ حقیقت کائنات مادی ہے اور روح مادہ کی ایک خاصیت ہے جو اس وقت رونما ہوتی ہے جب مادہ اپنی ترقی اور ترکیب کی ایک خاص حالت پر پہنچ جاتا ہے؟

۲۔ کیا یہ بات درست نہیں کہ مذہب فقط معاشی حالات کی پیداوار ہے اور خود اپنی کوئی قدر و قیمت نہیں رکھتا؟

۳۔ کیا انسان کی زندگی کا معاشی پہلو عمل تاریخ کا محرک نہیں اور کیا مذہب اس عمل تاریخ کی ایک عارضی حالت اور ضمنی یا اتفاقی

پیدا وار نہیں؟

۴۔ کیا مذہب دبی ہوئی جبلت جنس یا رُکی ہوئی حب تفوق یا اَٹکی ہوئی غلبہ وقوت کی خواہش کا غیر فطری اور بے محل اظہار نہیں؟

۵۔ کیا مذہب ایک ظالم سوسائٹی کا مصنوعی دباؤ نہیں جو اپنی سلامتی کی خاطر فرد کو مجبور کرتی ہے کہ وہ کچھ غیر فطری پابندیوں اور رکاوٹوں کو، جنہیں وہ مذہبی اور اخلاقی اصولوں کا نام دیتی ہیں، اپنے آپ پر عائد کرے؟

۶۔ کیا یہ حقیقت نہیں کہ عمدگی اخلاق ایک نسبتی اصطلاح ہے جس کے معنی مختلف قوموں کے لئے اور مختلف حالات کے اندر مختلف ہوتے ہیں؟

۷۔ کیا یہ ممکن ہے کہ خدا کسی انسان پر وحی نازل کرے یا کوئی انسان سچ مچ نبی بن جائے؟

۸۔ کیا نبوت (اگر وہ درحقیقت ممکن ہے) ایک ایسا عارضی اہمیت کا واقعہ نہیں جو نوعِ انسانی کی تا قیامت ترقی کے لئے کوئی اہمیت نہیں رکھ سکتا؟

۹۔ کیا انسان کی عقل اسے اپنا نیک و بد سمجھانے کے لئے کافی نہیں کہ کسی بیرونی راہنمائی کی ضرورت ہو؟ جب انسان کو عقل دی گئی ہے تو اس نبوت کی خاص ضرورت کیا ہے؟

۱۰۔ اگر نبوت کوئی ضروری چیز ہے تو یہ ختم کیوں ہو جاتی ہے اور تا قیامت انسان کی راہنمائی کے لئے نئے نئے انبیاء کیوں آتے نہیں رہتے؟ وغیرہ

ہمارے لئے ضروری ہے کہ ہم ان سوالات کا ایسا جواب تلاش کریں جو نہ صرف اسلام کی بنیادی تعلیمات کے مطابق ہو بلکہ پوری طرح سے مدلل اور معقول اور حکمیاتی (Scientific) ہو۔ اور کم از کم ان تمام جوابات سے زیادہ معقول اور قابل قبول ہو جو دوسرے مذاہب یا نظریات کے ماننے والے ان ہی نظریات کے لئے پیش کر رہے ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اب امت مسلمہ کے ضمیر نے غیر واضح طور پر ہی سہی، لیکن اس بات کو محسوس کر لیا ہے کہ اگر ہم اس قسم کا جواب، جو درحقیقت اسلام کی مکمل اور منظم حکمیاتی تشریح سے کم نہیں ہوگا فی الفور مہیا نہ کریں تو ایک نظریاتی جماعت کی حیثیت سے ہماری زندگی خطرہ میں ہے۔ یہی سبب ہے کہ اس وقت قوم کے تعلیم یافتہ طبقہ میں اسلامی تحقیق کی ضرورت کا ایک عام احساس پیدا ہو گیا ہے۔

موجودہ دور کی ایک خصوصیت:

اس زمانہ میں انسان کے نظریات بدنی اور جبلتی ضروریات کی سطح سے بالاتر ہو کر علمی اور اخلاقی سطح پر آ گئے ہیں۔ لہذا نظریات کی حیثیت سے ان کی موجودگی پوری طرح سے نمایاں ہو گئی ہے۔ یہ زمانہ علمی نظریات کا زمانہ ہے۔ اس دور میں اسلام

کے سوائے باقی تمام نظریات کے قائلین اپنے اپنے نظریات کی علمی اور عقلی توجیہہ اور مدافعت بہم پہنچانے میں مصروف ہیں۔ کیونکہ وہ محسوس کر رہے ہیں کہ اگر وہ ایسا نہ کریں گے تو ان کی سیاسی زندگی بلکہ ہر قسم کی زندگی خطرے میں رہے گی۔ نظریہ، جو دراصل انسان اور کائنات کی حقیقت کے متعلق ایک مشاہدہ یا وجدان یا ایمان کا نام ہے، تنہا وہ قوت ہے جو فرد اور جماعت اور ریاست کے تمام اعمال و افعال پر حکمران ہے۔ اگر یہ ثابت کیا جا سکے کہ وہ نظریہ حیات جس پر کسی ریاست کی بنیاد رکھی گئی ہے، علمی طور پر صحیح اور عقلی طور پر اعتراضات سے بالاتر ہے تو اس سے دو اہم نتائج برآمد ہوں گے۔ ایک یہ کہ اس سے ریاست کے ساتھ فرد کی کشش یا محبت بڑھ جائے گی اور ریاست کا اندرونی اتحاد ترقی پائے گا اور اس کی استعداد عمل میں اضافہ ہوگا۔ اور اس کی قوت فروغ پا کر انتہا تک پہنچ جائے گی۔ اس کا دوسرا اہم نتیجہ یہ ہوگا کہ ریاست کی حدود کے باہر ریاست کے حامیوں اور مدد گاروں کی تعداد روز بروز بڑھتی جائے گی اور اس طرح سے اس کے سیاسی اثر و نفوذ کا حلقہ روز بروز وسیع ہوتا جائے گا۔ جس قدر کوئی نظریہ حیات زیادہ معقول و مدلل ہوگا اور جس قدر زیادہ دلکش اور دلنشین ہوگا اسی قدر امکان اس بات کا ہوگا کہ وہ ترقی پا کر زمین کے کناروں تک پھیل جائے اور وہاں ہمیشہ کے لئے موجود رہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہر نظریہ کے ماننے والے اس بات کی ضرورت محسوس کرتے ہیں کہ وہ اس کی ایک بلند پایہ علمی اور عقلی تشریح پیدا کریں۔ اشتراکیت پہلے ہی ایک سائنسی نظریہ حیات ہونے کی مدعی ہے۔ ہٹلر کا نظریہ نیشنل سوشلزم اس کی کتاب ''میری جدوجہد'' میں ایک فلسفہ کے طور پر پیش کیا گیا تھا۔ یہ ہیگل کے اس نظریہ کی ایک تشکیل جدید تھی کہ ریاست ایک خدا ہے جو غیر محدود حقوق اور اختیارات رکھتی ہے اور اطاعت مطلقہ کی حق دار ہے۔ مسولینی کا نظریہ فسطائیت بھی اطالوی فلسفی کروچے کے فلسفیانہ نظام سے عقلی تائید اور توثیق حاصل کرتا ہے۔ امریکہ کے لوگ اب جمہوریت کو محض ایک طرزِ حکومت نہیں سمجھتے بلکہ ایک فلسفہ زندگی سمجھتے ہیں۔ اور بعض امریکی مصنفین نے اسے ایک فلسفۂ زندگی کے طور پر پیش کرنے کی کوشش بھی کی ہے۔ بھارت کے لوگ سمجھتے ہیں کہ ان کی ریاست گاندھی کے فلسفۂ زندگی پر مبنی ہے۔

ایک نظریہ حیات غلط ہو یا صحیح لیکن وہ لوگ جو اس سے محبت رکھتے ہیں یہ سمجھتے ہیں کہ اگر کوئی نظریہ حیات دنیا میں حق ہے یا حق ثابت کیا جا سکتا ہے تو یہی ہے۔ جب وہ اس کی عقلی اور علمی توجیہہ یا مدافعت کرنے کی کوشش کرتے ہیں تو ان کا مقصد درحقیقت یہ ہوتا ہے کہ وہ اس نظامِ حکمت کو آشکار کریں جو عقلی لحاظ سے دنیا کے تمام فلسفوں میں یکتا اور یگانہ ہے، جو صرف ان کے نظریہ حیات کے اندر مخفی ہے اور دنیا بھر میں اور کہیں پایا نہیں جاتا۔ ہر نظریہ حیات کا ماننے والا اپنے نظریہ حیات کے متعلق ایسا ہی خیال رکھتا ہے لیکن چونکہ حق صرف ایک ہے، یہ ظاہر ہے کہ صرف ایک ہی فلسفہ ایسا ہو سکتا ہے جو درحقیقت صحیح اور معقول ہو، دو یا دو سے زیادہ فلسفے ایسے نہیں ہو سکتے۔ اس کا مطلب صاف طور پر یہ ہے کہ اپنی اپنی سائنسی توجیہہ اور تشریح کرنے کے لئے

نظریات کی دوڑ میں صرف ایک نظریہ حیات کامیاب ہوگا اور وہی نظریہ حیات زندہ رہے گا اور پوری دنیا پر چھا جائے گا اور باقی نظریات مٹ جائیں گے اور زندہ رہنے والے اس نظریہ حیات کے متعلق یہ بات قطعی طور پر ثابت ہو جائے گی کہ یہی انسان اور کائنات کا وہ آخری صحیح فلسفہ ہے جو عقل انسانی کی صبح کے طلوع سے لے کر آج تک تمام فلسفیوں اور سائنس دانوں کا سہانا خواب اور ان کی جستجو کا گوہر مقصود بنا رہا ہے۔ یہ باور کرنے کے لئے ہر دلیل موجود ہے کہ صرف اسلام ہی ایک ایسا نظریہ حیات ہے جو اس قابل ہے کہ انسان اور کائنات کی ایک عقلی، علمی اور سائنسی تشریح کی صورت اختیار کر سکے، لیکن اب تک ہم نے کون سا کام کیا ہے جس سے یہ ثابت ہو جائے کہ ہمارا یہ عقیدہ فی الحقیقت درست ہے۔ اس معاملہ میں ہماری غفلت کو اس حقیقت نے اور زیادہ سنگین اور خطرناک بنا دیا ہے کہ دوسرے نظریات کو ماننے والے لوگ اس وقت بھی دنیا کے اوپر یہ ثابت کرنے کے لئے بہت سا کام کر چکے ہیں کہ صرف ان کے نظریات ہی معقول اور مدلل ہیں۔ اور دنیا کا تعلیم یافتہ طبقہ یعنی نوع انسانی کا وہ حصہ جو درحقیقت کوئی اہمیت رکھتا ہے اور جس میں تعلیم یافتہ مسلمان بھی شامل ہیں ہر روز زیادہ سے زیادہ تعداد میں ان کے ہم رنگ زمیں دام میں گرفتار ہوتا جا رہا ہے۔

اسلامی تحقیق کا کام ہمارے لئے زندگی اور موت کا سوال ہے:

اقوام عالم ایک باہمی جنگ میں مصروف ہیں جو کبھی پرامن ہوتی ہے اور کبھی تشدد آمیز، لیکن ہمیشہ ہمیشہ جاری رہتی ہے۔ اس جنگ میں نظریات اور تصورات کی قوت ہی فیصلہ کن ثابت ہوگی۔ جو قوم اس جنگ میں فتح یاب ہو کر بالآخر دنیا کے کناروں تک پھیل جائے گی اور پھر ہمیشہ وہاں موجود رہے گی، وہ وہ نہیں ہوگی جس کے پاس جوہری آلات زیادہ ہوں گے، بلکہ وہ ہوگی جس کے نظریہ حیات کے تصورات سب سے زیادہ معقول اور مدلل اور دلکش اور دل نشیں ہوں گے۔ جو قوم نظریاتی محاذ پر اپنی حفاظت نہیں کرتی وہ محض فوجی محاذ پر طاقتور بن کر اپنے آپ کو بچا نہیں سکتی۔ اور جو قوم نظریاتی محاذ پر طاقتور بن جائے اسے کسی فوجی محاذ کی ضرورت نہیں رہتی۔ اپنی زندگی کے اس نازک دور میں جب ہم دوسری قوموں کے نظریات کی طرف سے اپنی بقاء کے لئے ایک خطرناک چیلنج کا سامنا کر رہے ہیں، ہم ایک نظریاتی قوم کی حیثیت سے صرف اسی صورت میں زندہ رہ سکتے ہیں جب ہم اسلام کی نہایت ہی معقول اور مدلل سائنسی توجیہہ پیش کریں۔ ہماری خوش قسمتی ہے کہ تمام معقول اور دلکش سائنسی تصورات کا سر چشمہ توحید کا عقیدہ ہے جو اپنی صحیح اور پاکیزہ صورت میں فقط مسلمان قوم ہی کے پاس ہے۔ یہی وہ عقیدہ ہے جو اسلام کی روح ہے اور انسان اور کائنات کے صحیح اور سائنسی نظریہ کی صورت اختیار کر سکتا ہے۔ ہمارا فرض ہے کہ ہم تحقیق و تجسس کی تمام قوتوں کو بروئے کار لا کر اسلامی تعلیمات کو ایک ایسے سائنسی نظریۂ کائنات کی شکل دیں جس سے انکار کی گنجائش موجود نہ رہے۔

ہمارے اسلامی تحقیق کے تمام اداروں کو اس اہم کام کی طرف متوجہ ہونا چاہیے۔ اسلامی تحقیق ہمارے لئے کوئی غیر ضروری تفریحی مشغلہ نہیں جسے ہم اپنی فرصت یا سہولت کے مطابق اختیار کریں بلکہ ہماری زندگی اور موت کا سوال ہے۔ اگر ہم اس کی طرف بروقت اور پوری تن دہی کے ساتھ متوجہ نہ ہوئے تو ہمیں یقینی موت کا منتظر رہنا چاہیے اور پھر ہمارے بعد خدا کوئی اور قوم پیدا کرے گا جو اسلام کا یہ کام کرے گی۔

ہم اپنے آپ کو غلط نظریات کا معتقد بننے سے کیونکر بچا سکتے ہیں!

اس دور میں یہ حقیقت پایۂ ثبوت کو پہنچ چکی ہے کہ افکار اور تصورات قوموں کو مفتوح اور مغلوب کرنے والی ایک قوت کی حیثیت سے افواج اور اسلحہ کی تمام قسموں سے زیادہ مؤثر ہیں چونکہ وہ لاسلکی پر بھی سفر کر سکتے ہیں۔ وہ افواج اور اسلحہ سے بہت زیادہ سریع الحرکت ہیں۔ اور پہاڑوں، دریاؤں، سمندروں اور صحراؤں کی جغرافیائی رکاوٹیں، بین الاقوامی سیاسی سرحدیں، سیگفریڈ اور میجینو ایسی فوجی مدافعتی قلعہ بندیاں ان کی یلغار کو روک نہیں سکتیں۔ ہر ریاست ایک منظم نظریاتی جماعت ہوتی ہے، جو اپنے پریس، پلیٹ فارم، ریڈیو، سینما اور ٹیلی ویژن کے ذریعے سے اور اپنی مطبوعات اور دوسرے ملکوں میں قائم کئے ہوئے اطلاعاتی مرکزوں اور کتب خانوں کی مدد سے اپنے نظریہ کی معقولیت اور دلکشی کو ثابت کرنے والے تصورات کی اشاعت کرتی رہتی ہے تا کہ دوسری قوموں کو ذہنی اور نفسیاتی طور پر مفتوح اور مغلوب کرے۔ وہ نظریاتی جماعت جو دوسری نظریاتی جماعتوں کو اپنے تصورات سے مفتوح ومغلوب کرنے کی کوشش نہیں کرتی، اس بات کا خطرہ مول لیتی ہے کہ زود یا بدیر دوسری نظریاتی جماعتیں اسے مفتوح او مغلوب کر کے ہمیشہ کے لئے صفحۂ ہستی سے مٹا دیں گی۔ حقیقتِ حال یہ ہے کہ نظریات کی اس جنگ کے میدان کے عین وسط میں موجود ہونے کے باوجود ہم عرصۂ دراز سے نہ دوسروں کو اپنے تصورات سے متاثر کرنے کی کوشش کر رہے ہیں اور نہ دوسروں کے تصورات کے بالمقابل اپنی مدافعت اور حفاظت کر رہے ہیں، بلکہ ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے ہیں۔ نتیجہ یہ ہے کہ ہم اس بات کے بہت قریب پہنچ گئے ہیں کہ ہم دوسری قوموں کے تصورات سے ذہنی طور پر مفتوح اور مغلوب ہو کر مسلمان قوم کی حیثیت سے نیست و نابود ہو جائیں۔ ظاہری طور پر ہم مسلمان ہیں لیکن ہم میں سے بیشتر ایسے ہیں جن کے دلوں میں اسلام کی بجائے دوسرے نظریات کی محبت متمکن ہے۔

جس نسبت سے ہم دوسرے تصورات اور نظریات کی طرف مائل ہوتے جا رہے ہیں اسی قدر اسلام سے دور ہوتے جا رہے ہیں۔ بد اخلاقی، فریب کاری، بے حیائی، رشوت ستانی، خود پرستی، جنبہ داری، خاندان پرستی، صوبہ پرستی، چور بازاری، نفع اندوزی اور دوسری بری خصلتیں، جو ہمارے معاشرہ میں روز افزوں ترقی پر ہیں اور جن پر ہم میں سے بعض اچھے لوگ اظہارِ

افسوس کرتے ہیں، سب اس بات کی علامت ہیں کہ اسلام پر ہمارا ایمان مضمحل ہوتا جا رہا ہے۔ اسلام کے متعلق ہمارا افہام پراگندہ اور ہمارے خیالات پریشان ہیں اور ہم یہ جاننے سے قاصر ہیں کہ اسلام ہم سے کیا چاہتا ہے، کس قسم کی عملی زندگی کا مطالبہ کرتا ہے، اور کیوں؟ غلط نظریات اور تصورات کی دھند اس طرح چھائی ہوئی ہے کہ ہمیں اپنا راستہ صاف طور پر نظر نہیں آتا۔ ان حالات میں کئی خود ساختہ رہبرانِ قوم، جو غیر اسلامی نظریات کے دام میں دوسروں سے کم گرفتار نہیں، اسلام کی نئی تشریح کرنے کے لئے سامنے آ گئے ہیں۔ گویا وہ اپنی غیر معمولی خداداد ذہانت اور قابلیت سے اسلام کو اس کی موجودہ مشکلات سے نجات دے کر مسلمانوں پر احسان کرنا چاہتے ہیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اسلام کی کئی متضاد قسم کی توجیہات وجود میں آ گئی ہیں جن سے ہماری پراگندہ خیالی اور بڑھ رہی ہے اور اس اسلام پر ہمارا ایمان اور کمزور ہوتا جا رہا ہے جس پر تاریخ کی ناقابل انکار شہادتوں کے مطابق حضور ﷺ اور صحابہ رضی اللہ عنہم نے عمل کیا تھا۔

اس صورتِ حال نے مخلص مسلمانوں کو بڑا پریشان کر دیا ہے اور وہ اس بات کی کوشش کر رہے ہیں کہ اسلام سے بھٹکنے والے مسلمانوں کو خدا اور رسول اور قرآن کا واسطہ دے کر اسلام کی طرف واپس لایا جائے۔ لیکن ان کی کوششوں کے باوجود یہ مسلمان اسلام سے روز بروز دور تر ہوتے جا رہے ہیں۔ یہ کوششیں جو درحقیقت بے یقین مسلمانوں کی مشکلات سے بے خبری پر مبنی ہیں، کبھی کامیاب نہیں ہو سکتیں۔ ہمیں اس بات کو واضح طور پر سمجھ لینا چاہیے کہ وہ مسلمان جو اسلام پر اپنا یقین کھو بیٹھتا ہے وہ اپنے افکار و تصورات غیر اسلامی نظریات سے عقل اور علم اور دانش اور سائنس اور فلسفہ کے دلفریب ناموں کے ساتھ مستعار لیتا ہے۔ لہٰذا جب تک ہم اسلامی تحقیق کے ذریعہ سے ایسا علمی اور عقلی ذخیرہ پیدا نہ کر دیں جو اس کے غیر مسلم استاد کو اسلام کے حق میں پوری طرح سے متاثر کر سکے، ناممکن ہے کہ ہم اس کو اسلام کی طرف واپس بلا سکیں۔

غیر مسلم کو اسلام کا معتقد بنانے کا طریقہ:

لیکن ایک غیر مسلم کے سامنے اسلام پیش کرنے کا طریق کار اس سے بہت مختلف ہے جو ایک مسلمان فرد کے لئے کام میں لایا جا سکتا ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ ایک معلم یا مبلغ کی حیثیت سے ہمارے لئے ضروری ہے کہ ہم مخاطب کے معلوم سے آغاز کر کے اس کے نامعلوم کی طرف آئیں۔ اور ظاہر ہے کہ ایک مسلمان کا معلوم ایک غیر مسلم کے معلوم سے بہت مختلف ہے۔ مثلاً ایک مسلمان جانتا ہے کہ قرآن حکیم خدا کی نازل کی ہوئی سچی کتاب ہے، ایک غیر مسلم یہ نہیں جانتا۔ وہ صرف قدرت کے ان حقائق اور قوانین کو ہی جانتا ہے جو قدرت کے مشاہدہ اور مطالعہ سے معلوم کر سکتا ہے۔ اور ہم اس کو اسلام کی دعوت دیتے ہوئے فقط ان ہی حقائق اور قوانین کو بطور دلائل پیش کر سکتے ہیں۔

اسلام کی تبلیغ کا یہ طریق نیا نہیں بلکہ یہ طریق بعینہٖ وہی ہے جو خود قرآن حکیم نے اختیار کیا ہے۔ کیونکہ قرآن حکیم منکرین کو بار بار اس بات کی دعوت دیتا ہے کہ وہ خدا پر ایمان لانے کے لئے مظاہرِ قدرت کا مشاہدہ اور مطالعہ کریں، جہاں ان کو خدا کی ہستی اور صفات کے واضح نشانات نظر آئیں گے۔ اور ایسے حقائق کی بنا پر خدا کی نازل کی ہوئی کتاب ہونے کا مدعی ہے جو قدرت کے مشاہدہ اور مطالعہ سے دریافت کئے جا سکتے ہیں۔ بلکہ قرآن حکیم اس بات کی پیش گوئی کرتا ہے کہ خدا مستقبل میں خارجی دنیا اور نفس انسانی سے تعلق رکھنے والے ایسے حقائق کو آشکار کرے گا جن کی روشنی میں منکرین یہ تسلیم کرنے پر مجبور ہوں گے کہ قرآن خدا کی سچی کتاب ہے۔ اب یہ بات مسلم ہے کہ سائنس اور سائنسی طریق تحقیق یعنی مظاہر قدرت کا علم اور اس کے حصول کے طریق کے موجد مسلمان تھے۔ ظہور اسلام کے بعد مسلمان سائنس دانوں کے ذریعہ سے مشاہدۂ قدرت کی ضرورت کے بارے میں قرآن کی راہنمائی سے مستفید ہو کر اب ایک عرصہ سے مغرب کے لوگ مظاہر قدرت کا تفصیلی اور تحقیقی مطالعہ کرتے رہے ہیں۔ ان لوگوں نے اب ایسے حقائق کا ایک بہت بڑا ذخیرہ جمع کر لیا ہے جو مظاہر قدرت کے علم سے تعلق رکھتے ہیں اور ان حقائق کو انہوں نے کئی منظّم علوم کی صورت میں مرتب کیا ہے جن کے مجموعہ کو سائنس کہا جاتا ہے۔ قدرت کے جو حقائق مادہ، حیوان اور انسان سے تعلق رکھتے ہیں ان کو بالترتیب طبیعیات، حیاتیات اور نفسیات کا نام دیا گیا ہے۔

غیر مسلموں کی کوتاہی:

مغرب کے غیر مسلموں نے بیشک مظاہر قدرت کے علم سے تعلق رکھنے والے بہت سے حقائق کو بڑی احتیاط اور محنت سے دریافت کر کے مختلف علوم کی صورت میں مرتب کر لیا ہے لیکن بدقسمتی سے وہ یہ نہ سمجھ سکے کہ ان حقائق کا حقیقتِ کائنات کے ساتھ اور ایک دوسرے کے ساتھ کیا تعلق ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ حقائق کسی عقلی اور علمی ربط کے بغیر ایک دوسرے سے الگ تھلگ پڑے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اہل مغرب اور مظاہر قدرت کے علم کے متعلق ان کے نقطۂ نظر سے متاثر ہونے والی قوموں کے نصب العینوں یا نظریاتِ حیات یا نظام ہائے حکمت کے اندر اس قدر اختلاف موجود ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس حقیقت کو بالعموم درست سمجھا جاتا ہے کہ مظاہر قدرت کے علم سے تعلق رکھنے والے حقائق، جن کو عام فہم زبان میں سائنسی حقائق کہا جاتا ہے، عقلی اور علمی نقطۂ نظر سے حقیقت کائنات کے ساتھ مطابقت رکھتے ہیں اور ہر نظامِ حکمت اس کوشش سے عبارت ہوتا ہے کہ حقیقت کائنات کے ساتھ ان کے اس تعلق کو جو نظام حکمت کے مُوجد کی سمجھ میں آتا ہے واضح کیا جائے اور استدلال کی قوت سے پایۂ ثبوت کو پہنچایا جائے۔

دوسرے لفظوں میں ہر نظامِ حکمت اس کوشش سے صورت پذیر ہوتا ہے کہ سائنسی حقائق کو ان کے علمی اور عقلی ربط و

ضبط کے ساتھ منظّم کیا جائے۔ایک نصب العین، حقیقت کائنات اور اس کے اوصاف وخواص کا ایک تصور ہوتا ہے۔ایک نظریۂ حیات، ایک مجموعۂ تصورات ہوتا ہے جو کسی نصب العین سے ماخوذ ہوتے ہیں، خواہ وہ علمی اور عقلی لحاظ سے منظّم ہوں یا نہ ہوں۔ لیکن ایک نظامِ حکمت یا فلسفہ ایسے تصورات کا ایک سلسلہ ہوتا ہے جو کسی نصب العین کے ماتحت عقلی اور علمی لحاظ سے مربوط اور منظّم کئے گئے ہوں۔

فلسفی کا طریق کار:

فلسفی کو سب سے پہلے حقیقتِ کائنات کے متعلق ایک وجدان یا ایقان یا مشاہدہ حاصل ہوتا ہے، جو اس کے معلوم حقائق پر اس کے غور وفکر کا نتیجہ ہوتا ہے، اور اس کے خیال میں ان حقائق سے مطابقت رکھتا ہے۔ پھر وہ کوشش کرتا ہے کہ حقیقت کائنات کے اس وجدانی تصور کے ساتھ معلوم حقائق کے علمی اور عقلی تعلق یا ربط کی وضاحت کرے۔اس کوشش کے ذریعہ سے وہ دراصل اپنے وجدانی تصورِ کائنات کی عقلی توجیہہ کرتا ہے اور یہی توجیہہ اس کا فلسفہ کہلاتی ہے۔اگر اس کا وجدانی تصورِ حقیقت غلط ہوگا تو اس تصور کی عقلی توجیہہ بھی غلط ہوگی اور اس کے افکار وتصورات کی عقلی ترتیب اور منطقی تنظیم کے اندر جا بجا ناہمواریاں اور نادرستیاں ابھر آئیں گی، اور رخنے اور جھول پیدا ہو جائیں گے، جن کو یا تو وہ نظر انداز کرے گا یا اپنے دلائل کے پردہ میں چھپانے کی کوشش کرے گا۔

اس قسم کے رخنوں اور جھولوں کا ظہور انسانی اور اجتماعی علوم میں مثلاً نفسیاتِ فرد و جماعت میں اور سیاسیات، اخلاقیات، اقتصادیات، تعلیمات، فنِ قانون اور تاریخ کے فلسفوں میں سب سے زیادہ نمایاں ہوتا ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ علوم براہ راست فلسفی کے نظریۂ حقیقت پر، جس میں نظریہ انسانی بھی شامل ہے۔مبنی ہوتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ (جیسا کہ حکمائے مغرب خود تسلیم کرتے ہیں) مغرب میں نشو ونما پانے والے انسانی اور اجتماعی علوم میں ایک شدید قسم کا منطقی اور عقلی انتشار پایا جاتا ہے اور جب صورت حال یہ ہو کہ ایک طرف سے انسان کی حقیقت روحانی توجیہہ کا تقاضا کرتی ہو اور دوسری طرف سے انسانی اعمال اور افعال کے مغربی حکماء انسان کی میکانکی اور مادی توجیہہ پر مصر ہوں تو پھر کیسے ممکن ہے کہ مغرب میں پروان چڑھنے والے انسانی اور اجتماعی علوم میں انتشار موجود نہ ہو۔اس کے برعکس اگر فلسفی کا وجدانی تصورِ حقیقت درست ہوگا تو اس تصور کی عقلی توجیہہ کی کوشش کا نتیجہ یہ ہوگا کہ تمام علمی حقائق آسانی کے ساتھ ایک دلکش تنظیم اختیار کر لیں گے اور مکمل نظامِ حکمت کے اندر ایک ایسی مکمل منطقی ترتیب کے ساتھ آراستہ ہو جائیں گے جس میں کوئی رخنہ یا جھول موجود نہیں ہوگا۔

ہمارے اسلامی تحقیق کے اداروں کے سامنے کرنے کا اصل کام:

یہ معلوم کر لینے کے بعد کہ صرف حقیقتِ کائنات کا صحیح تصور ہی کسی صحیح فلسفہ کی بنیاد بن سکتا ہے اور ایک فلسفی کے لئے اس کا ہونا یہاں تک ضروری ہے کہ اس کے بغیر اس کا سارا کام ناقص اور لغو اور بے کار ہو کر رہ جاتا ہے، یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ فلسفی حقیقتِ کائنات کا یہ صحیح تصور کہاں سے لائے اور کیسے حاصل کرے۔خدا نے فلسفی کی اس شدید ضرورت کا سامان کارخانۂ قدرت کے اندر بلا قیمت اور ایک گراں قدر عطیہ کے طور پر خود بخود مرحمت فرما دیا ہے اور وہ نبی کامل، صاحب قرآن، جناب محمد مصطفیٰ ﷺ کا تصورِ حقیقت ہے جسے آپ ﷺ کا ہر مخلص پیرو آپ ﷺ کی محبت اور اطاعت کے ذریعے سے اپنا بنا سکتا ہے۔ ہمارے تمام اسلامی تحقیق کے اداروں کے سامنے کرنے کا اہم کام یہ ہے کہ وہ دنیا کے سامنے یہ ثابت کریں کہ کائنات کے طبیعیاتی، حیاتیاتی اور نفسیاتی طبقوں سے تعلق رکھنے والے تمام سائنسی حقائق صرف اس وجدانی تصورِ حقیقت کے ساتھ پوری پوری مطابقت رکھتے ہیں جو قرآن حکیم پیدا کرتا ہے۔

اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ وہ غلط نظام ہائے حکمت یا فلسفے، جو غیر مسلم کو اسلام کی طرف آنے سے روکتے رہتے ہیں اور مسلمان معتقد کے اعتقاد کو خاموشی سے سلب کرتے رہتے ہیں، شکستہ ہو جائیں گے۔سائنسی حقائق کی حمایت اور تائید ان سے ہٹ کر اسلام کے لئے مہیا ہو جائے گی۔لہٰذا یہ فلسفے یقین افروز نہیں رہیں گے اور بے اثر اور بے کار بھی ہو جائیں گے۔اور ان کے بجائے ایک نیا صاف ستھرا صحیح معقول اور مدلل فلسفہ، جو کلیتاً اسلام کا مؤیّد ہوگا بلکہ جو خود اسلام ہی کی ایک حکیمانہ اور سائنسی تشریح اور تفسیر ہوگا، وجود میں آئے گا۔یہ ہے وہ طریق جس سے ہم دورِ حاضر کے علم کو قرآن کی روشنی میں اغلاط سے پاک کر سکتے ہیں۔اور دنیا کے سامنے قطعی طور پر یہ ثابت کر سکتے ہیں کہ صرف قرآن ہی کا عطا کیا ہوا تصورِ حقیقت صحیح ہے اور یہی ہے وہ طریق جس سے ہم غیر مسلم کو اس کی معلوم اور مسلم صداقتوں یعنی سائنسی حقیقتوں سے استدلال کر کے اس کے نامعلوم حقائق یعنی قرآن حکیم کی صداقت کے یقین کی طرف لا سکتے ہیں اور شک کرنے والے مسلمان کو کفر اور الحاد سے بچا سکتے ہیں۔اور پھر یہی ہے وہ طریق جس سے ہم اسلام کی وہ حکیمانہ اور سائنسی توجیہہ وجود میں لا سکتے ہیں جس کے وجود میں آنے پر اس زمانہ میں ہماری زندگی کا دار و مدار ہے۔جب اسلام کی سائنسی توجیہہ، جو بیک وقت انسان اور کائنات کی سائنسی توجیہہ بھی ہوگی، فی الواقع وجود میں آ جائے گی تو وہی ہمارے لئے انسانی اور اجتماعی علوم کی تشکیل جدید کی صحیح اساس بھی ہوگی۔وہ ہمیں اس قابل بنائے گی کہ ہم مغربی حکماء کی ان کوششوں میں، کہ نام نہاد انسانی اور اجتماعی علوم کو سچ مچ کے علوم بنایا جائے، ان کی راہنمائی کر سکیں۔اس راہنمائی کے نہ ہونے کی وجہ سے یہ کوششیں اب تک کامیاب نہیں ہو سکیں۔اصل بات یہ ہے کہ جب تک ہمارے تحقیق اسلامی کے ادارے نفسیاتِ فرد اور نفسیاتِ جماعت اور سیاست، اخلاق، تعلیم، فن، اقتصادیات، قانون اور تاریخ کے فلسفوں کو ازسرنو اسلام کے تصورِ

حقیقت کی بناپراوراسلام کی ایک ہی ممکن سائنسی توجیہہ کے اجزاء کے عناصر کے طور پر مدون اور مرتب نہ کرلیں، یہ کہنا ہرگز ممکن نہ ہوگا کہ ان کا کام ابتدائی مرحلوں سے کچھ بھی آگے بڑھ سکا ہے۔ظاہر ہے یہ کام اس نوعیت کا ہے کہ ایک درجن حکماء کو کئی سالوں تک مصروف رکھ سکتا ہے۔اس سے معلوم ہوجاتا ہے کہ ہمارے تحقیق اسلامی کے اداروں کو جو کام درپیش ہے وہ کتنا وسیع وعریض ہے۔

ایک حیاتیاتی ضرورت:

میں پھر اس بات کا اعادہ کرتا ہوں کہ اسلام کی حکیمانہ اور سائنسی توجیہہ مہیا کرنا مسلمانوں کی ایک حیاتیاتی ضرورت ہے، جس کو وہ صرف اپنی زندگی کی قیمت ادا کر کے ہی نظرانداز کرسکتے ہیں۔کہا جاتا ہے کہ حملہ یا جارحانہ اقدام بہترین مدافعت ہے۔یہ حقیقت جس طرح اس جنگ کی صورت میں درست ہے جو ایک ریاست کو فوجی محاذ پر لڑنی ہوتی ہے۔اگر ہم بروقت اور اس سے پہلے کہ پانی سر سے گزر جائے اسلام کی مدافعت کے لئے دوسرے نظریات کے خلاف علمی اور نظریاتی جہاد کا محاذ نہ کھول سکیں تو ممکن ہے کہ پھر اسلام کی مدافعت کا کوئی سوال ہی باقی نہ رہے اور ہم دیکھیں کہ جس نظریۂ حیات کی مدافعت کے لئے ہم آخر کار باہر نکل رہے ہیں وہ، وہ نہیں جس کی مدافعت کے لئے ہمیں کل تک باہر نکلنے کے لئے کہا جاتا تھا۔لیکن جب تک ہم اس طریق پر، جس کی نشاندہی اوپر کی گئی ہے، اسلام کی حکیمانہ اور سائنسی توجیہہ پیدا نہ کریں، ہم اس دور میں علمی اور نظریاتی جہاد کا محاذ نہیں کھول سکتے۔کام کی فوری ضرورت اور اہمیت کے پیش نظر ہمیں اپنے بہترین اور سب سے زیادہ زوردار دماغوں کو اس کام پر لگانا چاہیے تاکہ یہ جلد از جلد اپنی تکمیل کے مرحلے طے کرے۔ہمیں چاہیے کہ ہر پائی، جو میسر آسکتی ہے، اس کام پر لگا دیں اور جو لوگ اس کام میں لگ جائیں وہ جب تک کام ختم نہ ہوجائے پوری تندہی کے ساتھ اسی کام میں مصروف رہیں۔میرا مطلب یہ نہیں ہے کہ ہمیں مستشرقی تحقیق اور میکانکی اسلامی تحقیق کے کاموں کو کلیتاً بند کردینا چاہیے، لیکن ہمیں یقیناً مستشرقی تحقیق کے کام کو، خواہ ہم آئندہ اس کو کسی نام کے ساتھ جاری رکھنا پسند کریں، یونیورسٹیوں تک محدود کردینا چاہیے تاکہ اسلامی تحقیق کے غلط اور فریب کارانہ لقب کے ساتھ جو درحقیقت حیلہ ساز عیسائیت نواز مستشرقی ذہنوں کی پیداوار ہے وہ ہمارے اسلامی تحقیق کے اداروں میں دخل انداز نہ ہوسکے۔

میکانکی اسلامی تحقیق کا کام:

باقی رہا میکانکی اسلامی تحقیق کا کام سوا سے کلیتاً اصلی اسلامی تحقیق کے کام کی ضرورت کے ماتحت رہنا چاہیے اور فقط ان فضلاء اور حکماء کی درخواست پر ہی انجام دینا چاہیے جو اصلی اسلامی تحقیق کے کام میں لگے ہوئے ہیں، تاکہ ان کی ضروریات کو، جو

ان کے کام کے دوران میں وقتاً فوقتاً پیدا ہوتی رہیں، پورا کرسکے۔البتہ ہم کو میکانکی اسلامی تحقیق کے کام کی طرف اس وقت بھی رجوع کرنا پڑے گا جب ہم اپنی مقدس کتابوں یعنی قرآن اور حدیث کا یا ان کتابوں کا جو ان مقدس کتابوں کی حکمیاتی یا سائنسی توجیہہ پر مشتمل ہوں گی، اسلام کی عالمگیر اشاعت کے لئے دنیا کی دوسری زبانوں میں ترجمہ کرنے لگیں گے۔لیکن یہ بات ہماری انتہائی کوتاہ نظری اور ذوقِ تقابل سے تہی دستی کا ثبوت ہوگی کہ ہم ایسے موقع پر بلاضرورت میکانکی اسلامی تحقیق پر اپنا سارا وقت صرف کرتے رہیں جب کہ مقدس کتابوں پر خود ہمارا یقین ہی ختم ہورہا ہے۔اس کی مثال ایسے ہے جیسے کہ کوئی شخص ڈوبتی ہوئی کشتی کے آخری بحرانی لمحوں میں کشتی کو بچانے کی بجائے کشتی کی آنے والی تباہی سے بے پرواہ ہوکر اس کے مسافروں کی صحیح تعداد اور ان کے کپڑوں کی رنگت اور ساخت کی جزئیات اور تفصیلات کو ضبطِ تحریر میں لانے کے لئے بڑی کاوش کرتا رہے۔یہاں تک کہ کشتی ڈوب جائے۔قرآن حکیم کا نہایت ہی عمدہ اشاریہ یا میکانکی اسلامی تحقیق کا کوئی ایسا ہی اور نتیجہ اس مسلمان کے لئے کسی کام کا نہیں جو اسلام پر اپنا یقین کھو چکا ہو، اگرچہ اسے وجود میں لانے کے لئے سال ہا سال کی محنت شاقہ بروئے کار لائی گئی ہو۔

مسلمانوں کی فوری ضرورت:

بعض وقت کہا جاتا ہے کہ مسلمانوں کی فوری اور شدید ضرورت یہ ہے کہ اسلام کے جدید قانونی نظام کی تشکیل کی جائے۔لیکن جب تک ہم اسلام کو ٹھیک طرح سے اور پوری طرح سے نہ سمجھ لیں ہم اسلام کے جدید قانونی نظام کی تشکیل کیسے کر سکتے ہیں۔اس وقت ٹھیٹھ اسلام ہی کی مختلف توجیہات کی جارہی ہیں۔لہٰذا ہمیں پہلے یہ معلوم ہونا چاہیے کہ وہ کونسا اسلام ہے جس سے ہم نے ایک نیا قانونی نظام اخذ کرنا ہے، جب اسلام کی حکمیاتی اور سائنسی توجیہہ جو صرف ایک ہی ہوسکتی ہے، موجود ہوجائے گی تو پھر وہ نہ صرف غیر مسلموں کے تمام غلط نظریات اور فلسفوں کی مکمل اور ایمان پرور تردید کرے گی بلکہ اسلام کی ان غلط اور بے بنیاد توجیہات کا بھی مکمل اور یقین افروز ابطال کرے گی جو ان مسلمانوں نے پیش کی ہیں جو اسلام کے جدیدیت زدہ کوتاہ اندیش مسلمان نکتہ چینوں کو مطمئن کرنے کے لئے اسلام کو ایک نئی شکل دینا چاہتے ہیں۔لہٰذا اسلام کی ایک حکمیاتی اور سائنسی توجیہہ کی فقط ایک ہی بنیاد ہے جس پر ہم اسلام کے جدید قانونی نظام کی عمارت کھڑی کرسکتے ہیں۔اور اصل بات یہ ہے کہ جب اسلام کی ایسی توجیہہ فی الواقع وجود میں آئے گی تو ہم دیکھیں گے کہ احکامِ اسلام کی علتوں اور حکمتوں کے کھل جانے کی وجہ سے اسلام کے جدید قانونی نظام کے تشکیل کے بہت سے مشکل مسائل خود بخود حل ہوگئے ہیں اور اس کا سارا کام نہایت آسان ہوگیا ہے۔

ایک بے وقت کی کوشش:

مسلمانوں کی زندگی کے اس مرحلہ پر، جب اسلام پر ان کا یقین گر رہا ہے، اسلام کے قانونی نظام کی تشکیل جدید ایک بے وقت کی کوشش اور ایک بہت بڑی غلطی ہوگی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ اسلام کے موجودہ قوانین بہتر نہیں بلکہ بدتر ہو جائیں گے۔ مجتہد کو جو چیز صحیح اجتہاد کے راستہ پر راہ نمائی کرتی ہے وہ علوم قدیمہ وجدیدہ کا علم ہی نہیں بلکہ خدا کی محبت اور معرفت کا نور بھی ہے۔ انحطاطِ دین کے اس زمانہ میں یہ نور نایاب نہیں تو صعب الحصول ضرور ہے۔ اس سے پہلے کہ کسی مسلمان کے دل میں یہ نور پوری طرح سے روشن ہو نہ صرف یہ ضروری ہے کہ وہ عرصۂ دراز تک قرآن اور حدیث کے گہرے مطالعہ میں لگا رہے اور صحابہ رضی اللہ عنہم اور ائمہ اور صلحاء کی پاکیزہ اور مجاہدانہ زندگیوں سے اثر پذیر ہو بلکہ یہ بھی ضروری ہے کہ وہ اپنے آپ کو پوری طرح سے اسلام کے معاشرتی قوانین کو بدلنے کی فوری ضرورت ہے۔ لیکن جب تک ہم اسلام کے اخلاقی اور مذہبی قوانین کی خلاف ورزی کر رہے ہیں اس وقت تک ہم اسلام کے معاشرتی قوانین کی بھی کوئی عزت نہیں کر سکتے اور اس وقت تک ٹھیک طرح سے یہ بھی نہیں جان سکتے کہ ہمیں اسلام کے معاشرتی قوانین کو کس طرح بدلنا چاہیے اور آیا ان کو بدلنے کی ضرورت بھی ہے یا نہیں۔ ایسی حالت میں ہم اسلام کے معاشرتی قوانین کو کم از کم اسلام کے ان اخلاقی اور مذہبی قوانین کی روشنی میں نہیں بدل سکتے جن کی خلاف ورزی ہم دن رات کرتے رہتے ہیں۔

سچا اجتہاد:

سچا اجتہاد ہمیشہ اسلام کی گہری محبت کا نتیجہ ہوتا ہے اور اس کی محبت کی وجہ سے وہ اس شریعت کی ایک قدرتی اور بے ساختہ نشوونما کی صورت اختیار کرتا ہے جو حضور ﷺ اور صحابہ رضی اللہ عنہم نے ہمارے لئے چھوڑی ہے۔ اجتہاد کے لئے ہماری موجودہ خواہش اسلام کی محبت کا نتیجہ نہیں بلکہ اسلام کی پوشیدہ نفرت اور غیر اسلامی نظریات کی چھپی ہوئی محبت اور ستائش کا نتیجہ ہے۔ اس کا مقصد درحقیقت یہ ہے کہ اسلام کے احکام کو اس طرح سے بدل دیا جائے کہ وہ ہمارے ان خیالات اور تصورات کے ساتھ ہم آہنگ ہو جائیں جو ہم نے غیر اسلامی نظریات سے مستعار لئے ہیں اور جن کو ہم دل ہی دل میں چاہتے ہیں اور بنظرِ استحسان دیکھتے ہیں۔ یہ خواہش دراصل اس بات کی ایک کوشش ہے کہ اسلام کو اس ''حکمت'' اور ''دانائی'' سے بہرہ ور کیا جائے جو ہم نے دوسرے نظریات سے سیکھی ہے۔ اور اس طرح سے اسلام کو ایک نئے ''حسن وجمال اور ایک نئی شان وشوکت'' سے، جن کا نظارہ ہم ان نظریات کی قیادت میں کر چکے ہیں، ''مزین'' کیا جائے۔ یہ سچا اجتہاد نہیں، کیونکہ یہ وہ اجتہاد نہیں جو شریعت کی قدرتی اور بے ساختہ نشوونما کی صورت اختیار کرتا ہے، بلکہ یہ شریعت کی تحریف ہے جو ہم اپنے توہمات کے زیر اثر کرنا چاہتے ہیں یا ایک ایسی کوشش ہے جس سے ہم دوسرے نظریات کو، جنہیں ہم پسند کرتے ہیں جہاں تک ہمارا بس چلتا ہے اسلام کا مقام دینا چاہتے

ہیں۔ سچا اجتہاد اس وقت ممکن ہوگا جب ہم اسلام سے پھر ایسی ہی محبت کا احساس کرنے لگیں گے جیسا کہ پہلے ہمارے دلوں میں تھی۔ اور ہم اس شریعت کو جس پر حضور ﷺ اور صحابہ کرامؓ کا عمل تھا پھر ایسی ہی محبت کی روشنی میں پوری طرح سے سمجھنے لگیں گے۔ جب تک ہمیں اسلام کی محبت کا یہ مقام پھر سے حاصل نہیں ہو جاتا ہم اسلام کی اس بصیرت سے محروم رہیں گے جس کی مدد سے ہم یہ سمجھنے کے قابل ہو سکتے ہیں کہ ہمارے معاشرہ میں جو تغیر واقع ہوا ہے وہ اس بات کا مقتضی ہے یا نہیں کہ ہم شریعت کی روشنی میں اس کی اصلاح کے لیے نئے قوانین وضع کریں۔ اگر حضرت عمرؓ کو یہ بصیرت حاصل تھی تو اس سے یہ کہاں ثابت ہو جاتا ہے کہ عام بے یقینی کے اس دور میں یہ بصیرت ہمیں بھی حاصل ہے۔

ہمارے معاشرہ کے موجودہ حالات درحقیقت کس چیز کے مقتضی ہیں:

جس چیز کو ہم معاشرہ کا ایک ناگزیر ارتقائی تغیر سمجھ رہے ہیں، جو ہمارے خیال میں اجتہاد اور نئے قوانین کا تقاضا کرتا ہے، وہ درحقیقت مغرب کی تقلید میں ہماری عام اخلاقی گراوٹ، غیر اسلامی نظریات سے ہماری محبت اور اسلام کے اخلاقی اور دینی ضبط اور نظم سے ہماری نفرت اور بغاوت کے عوامل ہیں جو ایک دوسرے پر عمل اور ردِ عمل کر رہے ہیں۔ یہ تمام حالات اسلام پر ہمارے یقین کے انحطاط کی علامات کے سوا اور کچھ بھی نہیں۔ موجودہ صورت میں ہمارا اجتہاد، جو باطل ہوگا، ان افسوس ناک حالات کو بہتر نہیں بلکہ بدتر بنائے گا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ اجتہاد شریعت کے وقار کو اور اس کے ساتھ پورے اسلام کے وقار کو اور کم کرے گا، جس سے ہمارا یقین اور مضمحل ہو جائے گا اور ہم میں سے بعض لوگ جن کا ایمان پہلے ہی کمزور ہے ناحق اور ناروا طور پر یہ سمجھنے لگیں گے کہ اسلام ایک وقتی نظریہ حیات تھا جو حالات کے ساتھ بدل گیا ہے۔ لیکن اسلام کی ساری تاریخ بتا رہی ہے کہ ایسے اجتہاد کو سچے مسلمانوں نے کبھی قبول نہیں کیا اور اس کے باوجود سچا اسلام ہمیشہ زندہ اور باقی رہا ہے۔ یہی سبب ہے کہ اقبال نے کہا ہے کہ یقین وایمان کے انحطاط کے اس دور میں متقدمین کے قدم پر چلنا اس سے بدرجہا بہتر اور محفوظ تر ہے کہ ایسے لوگوں کا اجتہاد قبول کیا جائے جو نورِ ایمان سے محروم ہو چکے ہوں۔

ان حالات کا صحیح علاج یہ نہیں کہ ہم نئے قوانین وضع کریں جو ہمارے اعمال وافعال کو زیادہ سے زیادہ مصنوعی اور سطحی طور پر بدل سکتے ہیں، بلکہ ان کا صحیح علاج یہ ہے ہم اسلام کے جدید نظامِ تعلیم کو نافذ کریں جس میں خدا کا تصور تمام طبیعیاتی، حیاتیاتی اور نفسیاتی یا انسانی اور اجتماعی علوم کو منظّم کرنے والا محوری اور مرکزی تصور ہو۔ صرف ایسا نظامِ تعلیم ہی فرد کو ذہنی طور پر پوری طرح سے بدل کر درست کر سکتا ہے۔ یہ نہ تو کوئی دیانت داری ہے اور نہ انصاف کہ ہم پہلے خود ہی ایک ایسا تعلیمی اور ثقافتی ماحول پیدا کریں جس میں فرد کی ذہنی اور نفسیاتی تربیت صرف اس طرح سے ہو سکے کہ وہ اسلام کے نقطۂ نظر سے سوچنے اور کام

کرنے کے قابل نہ رہے۔اور پھر یہ شکایت کریں کہ اس کے اعمال وافکار درست نہیں اور ایسے قوانین وضع کریں جو اس کے نادرست اعمال میں ایک بیرونی مصنوعی دباؤ کی صورت میں رکاوٹ پیدا کریں۔قوانین صرف وہاں کام کرنے کے لئے وضع کئے جاتے ہیں جہاں تعلیم ناکام رہ گئی ہو۔ہمارے لئے اس بات کا کوئی جواز موجود نہیں کہ ہم تعلیم کے اصلی دلوں کو بدلنے والی قوت کو آزمانے کے بغیر قوانین کی مصنوعی قوت سے کام لیں جو ہمارے ظاہری اعمال کو بھی بدل نہیں سکتی۔تعجب کا مقام ہے کہ ہم معاشرہ کو جدید اسلامی نظامِ تعلیم کے ذریعے سے حقیقی معنوں میں اور بنیادی طور پر بدلنے کے بجائے اسے مصنوعی اور سطحی طور پر بدلنے کے لئے موجودہ اسلامی قوانین کو تبدیل کرنا چاہتے ہیں، حالانکہ ہمیں خوب معلوم ہے کہ جب قوانین پر عمل کرنے کی نیت موجود نہ ہو تو ان کی زد سے بچ کر نہایت آسانی کے ساتھ ان کی خلاف ورزیاں کی جاسکتی ہیں۔

لیکن جدید اسلامی نظامِ تعلیم، جو نہ صرف اسلامی ہونا چاہیے بلکہ علمی اور عقلی لحاظ سے بھی محکم اور غیر متزلزل بنیادوں پر قائم ہونا چاہیے، اس بات پر موقوف ہے کہ آیا ہم تعلیم کا کوئی معقول اور صحیح فلسفہ، جو لازماً اسلامی فلسفہ ہوگا، پیدا کر سکتے ہیں یا نہیں۔اور تعلیم کا ایسا فلسفہ انسان اور کائنات کی صحیح علمی اور عقلی توجیہہ دوسرے لفظوں میں اسلام کی سائنسی اور حکمیاتی توجیہہ کے ایک جزو کے طور پر ہی وجود میں آسکتا ہے، ورنہ وجود میں نہیں آسکتا۔اور ہم دیکھ چکے ہیں کہ اسلام کی یہی سائنسی اور حکمیاتی توجیہہ ہے جو اسلامی نظامِ قوانین کی ایک ہی ممکن بنیاد بھی ہے۔غرض ہم جس نقطہ نظر سے بھی دیکھیں ہماری فوری ضرورت یہ نہیں کہ ہم اسلام کے قوانین کو بدل دیں بلکہ یہ ہے کہ ہم اصلی اور صحیح قسم کی اسلامی تحقیق کے ذریعہ سے اسلام کی حکمیاتی اور سائنسی توجیہہ پیدا کر کے اسلام پر اپنے ایمان کو تازہ کریں اور اسلام کی صحیح علمی اور عقلی واقفیت سے اپنے آپ کو مسلح کریں تا کہ محض عالم انسانی کا ایک جزو ہونے کی وجہ سے ہم جس نظریاتی جنگ میں مجبوراً شریک ہیں اس میں فتح پائیں اور شکست کھا کر مٹنے سے محفوظ رہیں۔

میکانکی تحقیق کی ایک نئی قسم:

جو لوگ اسلام کی محبت سے بے نصیب ہو کر دل ہی دل میں غیر اسلامی نظریات کی طرف مائل ہو چکے ہیں، ان کی اس خواہش میں کہ اسلامی قوانین کو بدل دینا چاہیے، پاکستان میں ایک نئی قسم کی میکانکی تحقیق کو جنم دیا ہے جسے بہت سے مسلمان غلطی سے اسلامی تحقیق سمجھتے ہیں۔پہلے اس بات کی خواہش کرنا کہ اسلامی قوانین کو غیر اسلامی نظریات کی سمت میں بدل دیا جائے اور پھر اس خواہش کی تکمیل کے لئے موافق حالات پیدا کرنے کی غرض سے ایسی صحافتی قسم کی کتابیں تیار کرنا جن میں ہمارے علماء متقدمین ومتاخرین کے موجودہ علمی ذخیروں کو بلکہ قرآن اور حدیث کے ترجموں کو بھی ایک نئی ترتیب، نئی زبان اور نئے مفہوم، کا

جامہ پہنایا گیا ہو جو اس خواہش سے مطابقت رکھتا ہو، ایک ایسا عمل ہے جسے ہم ایک خاص مقصد سے انجام دی ہوئی میکانکی قسم کی کتاب سازی تو کہہ سکتے ہیں لیکن اسلامی تحقیق کا نام نہیں دے سکتے۔اس کا مقصد یہ نہیں کہ اصلی اور حقیقی اسلام کی علمی، عقلی اور حکمیاتی بنیادوں کو دریافت کیا جائے اور واضح کیا جائے بلکہ یہ ہے کہ اس اسلام کو بدل دیا جائے اور جس حد تک بھی ممکن ہو غیر اسلامی نظریات اور ان کے تصورات کے قریب تر لایا جائے تا کہ ان نظریات کے چاہنے والوں کو اسلام سے مطمئن کیا جا سکے۔لیکن اس قسم کی میکانکی تحقیق کا شوق رکھنے والے اس بات کو فراموش کر جاتے ہیں کہ وہ جن نظریات سے توافق کی آرزو رکھتے ہیں وہ خود ناپائیدار ہیں اور اپنا کوئی مستقبل نہیں رکھتے۔اور صرف ایک ہی نظریۂ حیات یہ صلاحیت رکھتا ہے کہ وہ تا قیامت زندہ اور قائم رہے اور یہ وہی اسلام ہے جو حضور ﷺ نے ہم میں چھوڑا تھا اور جس پر صحابہ نے عمل کیا تھا۔

اس قسم کی میکانکی تحقیق کے مقصد اور طریق کار سے آشکار ہے کہ اسے انجام دینے کے لئے کسی بڑی علمی قابلیت کی ضرورت نہیں۔چونکہ غیر اسلامی نظریات کے تصورات کی طرف جھکنا اور اسلام کی بجائے ان کی حمایت خود کرنا اور دوسروں کو ان کی حمایت پر آمادہ کرنا ایک لاشعوری عمل ہوتا ہے۔لہذا جو لوگ اس عمل کا شکار بنتے ہیں یہ سمجھتے ہیں کہ انہوں نے اپنی ذہانت سے اسلام کی ایک نہایت ہی حیرت انگیز، اچھوتی اور دلکش تشریح دریافت کر لی ہے اور وہ اسے پیش کر کے اسلام کو بچانے اور ہر دلعزیز بنانے کی ایک نہایت ہی بے نظیر خدمت بجالا رہے ہیں جو دورِ حاضر کے تقاضوں کے مطابق ہے۔

علمائے متقدمین کی اسلامی تحقیق ہمارے زمانہ کے چیلنج کا جواب نہیں بن سکتی:

بعض مسلمانوں کا خیال ہے کہ اسلام کی سائنسی اور حکمیاتی تشریح جس کی ہمیں اس زمانہ میں ضرورت ہے شاہ ولی اللہ، امام غزالی اور دوسرے مقتدر ائمہ دین کی اسلامی تحقیق کے اندر پہلے ہی موجود ہے اور اب ہمیں اسلام کی مزید کسی علمی تشریح کی ضرورت نہیں۔لیکن یہ خیال درست نہیں۔ان بڑے بڑے ائمہ اور فضلاء کی اسلامی تحقیق خواہ ان کے اپنے زمانہ کے علمی چیلنج کے جواب کے طور پر کیسی ہی گراں قدر اور کارآمد کیوں نہ ثابت ہوئی ہو، تاہم وہ جس صورت میں اس وقت ہمارے سامنے موجود ہے، ہماری اس کوشش میں کہ ہم اسلام کی طرف سے اس زمانہ کے علمی چیلنج کا کافی اور شافی جواب مہیا کریں، ہماری ذرا بھی مدد نہیں کر سکتی۔اس زمانہ کے حکیمانہ تصورات اور نظریات جو اسلام سے ٹکراتے ہیں اور جن کی تردید پیش کرنا ہمارا فرض ہے، مثلاً مارکسزم، ڈارونزم، فرائڈزم، ایڈلرزم، میکڈوگلزم، بی ہیویرزم، لاجیکل پازیٹوزم شپنگلرزم، ٹائنبزم وغیرہ، جو عصرِ حاضر کی مخصوص علمی فضا کی پیداوار ہیں اپنی نوعیت اور اپنے طرزِ استدلال کے لحاظ سے بالکل مختلف ہیں اور ہمارے بڑے بڑے متقدمین علماء اور فضلاء ان سے قطعی طور پر ناآشنا تھے۔لہذا یہ خیال کرنا کہ وہ اپنی کتابوں میں ان کی تردید مہیا کر چکے ہیں حد درجہ کی سادگی ہے۔چونکہ ہم ہی

ان سے واقف ہوئے ہیں لہذا اسلام کی مدافعت کرنے اوراس کے علمی اور عقلی مقام کو بلند رکھنے کے لئے ان کی تردید بہم پہنچانا ہمارا ہی کام ہے۔ ہر دور کا علمی چیلنج مختلف ہوتا ہے اوراس کا جواب ان ہی مسلمانوں کو دینا ہوتا ہے جو اس دور میں زندگی بسر کرنے کی وجہ سے اس چیلنج کا سامنا کر رہے ہوں۔

اس بات کے علاوہ، جیسا کہ پہلے عرض کیا گیا ہے، اسلامی تحقیق کے فاضل کا کام نہ صرف یہ ہوتا ہے کہ وہ اپنے زمانہ کے غلط فلسفیانہ تصورات کی تردید کرے اوران کو غلط ثابت کرے بلکہ یہ بھی ہوتا ہے کہ وہ اپنے زمانہ کے صحیح فلسفیانہ تصورات کی مدد سے، جو صحیح ہونے کی وجہ سے لازماً اسلام کی تائید کریں گے، اسلام کو عقلی اور علمی لحاظ سے زیادہ دلکش، زیادہ مضبوط اور زیادہ یقین پرور بنائے۔ جس طرح سے اس دور کے غلط فلسفیانہ تصورات صرف اسی سے مخصوص ہیں اسی طرح سے وہ صحیح فلسفیانہ تصورات جو اس زمانہ میں آشکار ہوئے اسی کا طغرائے امتیاز ہیں۔ یہ ثانی الذکر تصورات اول الذکر تصورات میں اس طرح سے دبے ہوتے ہیں جس طرح کوڑے کرکٹ کے ڈھیر میں جواہرات۔ جب تک ہم نئے کوڑے کرکٹ کو برباد نہ کریں ہم نئے جواہرات تک نہیں پہنچ سکتے۔ غرض ہمیں اس زمانہ میں اصلی اسلامی تحقیق کے کام کو نہ صرف اس لئے انجام دینا پڑے گا کہ ہم نئے کوڑا کرکٹ کو تباہ کرنا چاہتے ہیں بلکہ اس لئے بھی کہ ہم نئے علمی جواہرات کو جو اس میں پڑے ہیں اپنے قبضہ میں لینا چاہتے ہیں۔

غلط فلسفیانہ تصورات کی ان تردیدوں کے نقائص جواب تک پیش کی گئی ہیں:

پھر شاید یہ کہا جائے کہ اس زمانہ میں بھی کئی علماء اسلام عصر حاضر کے غلط فلسفیانہ نظریات کی تردیدیں مہیا کرنے کی کوشش کر چکے ہیں، لیکن ان تمام تردیدوں کا مشترک نقص یہ ہے کہ وہ ان نظریات کے ایسے مطالعہ پر مبنی نہیں جو مخالفت کے جذبہ سے الگ ہو کر منصفانہ اور ہمدردانہ طور پر کیا گیا ہو۔ لہذا وہ ان کی صحیح اور مکمل واقفیت پر قائم نہیں۔ اس کے علاوہ وہ بہت سے سوالات پیدا کرتی ہے جن کا جواب نہیں دیتیں اور حقیقت انسان و کائنات کے بہت سے مسلمہ اور درست حقائق کو اپنے پیش کئے ہوئے قرآنی نظریہ کائنات کے ساتھ متعلق نہیں کرتیں اور ایک بگڑی ہوئی صورت میں بدستور غیر اسلامی نظریات کے ساتھ متعلق رہنے دیتی ہیں۔ لہذا وہ تشنہ اور نامکمل اور ناتمام رہ جاتی ہیں۔ اس کے علاوہ ان کا علمی اور عقلی معیار دورِ حاضر کے مسلمہ علمی اور عقلی معیاروں کے مطابق نہیں اور وہ فلسفیانہ استدلال اور حکیمانہ تشریح اور تفسیر کے رائج الوقت طریق اور تکنیک کی پیروی نہیں کرتیں۔ نتیجہ یہ ہے کہ وہ ان نظریات کے غیر مسلم ماننے والوں اور مسلمان ہمدردوں کو قائل نہیں کر سکتیں، لہذا بالکل بے اثر و بے کار ہیں۔ ان کا مقصد زیادہ تر یہ ہے کہ ان مسلمانوں کو خوش کیا جائے جو زمانہ کے علمی چیلنج سے بے خبر ہونے کی وجہ سے صحیح قسم کی اسلامی تحقیق

کو کام میں لا کر اس چیلنج کا جواب دینے کی ضرورت محسوس نہیں کرتے اور حکمت اسلام کے اس علم سے مطمئن ہیں جو اس وقت تک میسر ہے اور غیر مسلموں کے سامنے پوری طرح سے پایہ ثبوت تک پہنچانے کے بغیر اس حقیقت پر یقین رکھتے ہیں کہ اسلام ماضی اور مستقبل کے تمام فلسفوں سے زیادہ معقول اور مدلل ہے۔ لیکن اصل بات یہ ہے کہ اسلام کے ایسے مکمل نظامِ حکمت کے بغیر جو اس کائنات کے تمام معلوم اور مسلم اور درست حقائق کو تسلیم کرتا ہو اور واضح کرتا ہو، کوئی چیز بھی ان حکیمانہ تصورات کا مکمل، مستقل، اور یقین پرور جواب نہیں بن سکتی جو اس وقت ہمارے دین کی بنیادوں کے ساتھ ٹکر لے رہے ہیں۔

اسلامی تحقیق کے فن کی تعلیم اور تربیت ضروری ہے:

شاید یہ بھی کہا جائے کہ شاہ ولی اللہ اور امام غزالی ایسے ائمہ دین جنہوں نے اسلام پر قیمتی تحقیق اور تخلیقی کام کیا ہے نادر شخصیتیں تھیں جن میں اس قسم کے کام کی غیر معمولی خداداد صلاحیتیں تھیں اور ہمارے لئے یہ مشکل ہوگا کہ ہم اسلام پر اعلیٰ معیار کا اصلی تحقیقی کام، جس کی ہمیں اس وقت ضرورت ہے، ایسے عالموں کی خدمات کے ذریعہ سے حاصل کر سکیں جو ہمارے بہترین دماغ ہونے کے باوجود قدرت کی عطا کی ہوئی تخلیقی قابلیتوں سے بہرہ ور نہیں۔ اس اعتراض کے جواب میں میرا مؤدبانہ التماس یہ ہے کہ ہر قوم میں ایسے افراد کافی تعداد میں ہوتے ہیں جن کو قدرت نے ہر قسم کی صلاحیتوں سے بہرہ ور کیا ہوتا ہے۔ لیکن ان کی صلاحیتیں بالعموم مخفی رہتی ہیں، خواہ قوم کو ان کی صلاحیتوں کی کیسی ہی شدید ضروت کیوں نہ ہو۔ لیکن جب تک کوئی صلاحیتوں کا مالک اتفاقاً ایسے حالات میں رہنے کا موقع نہ پائے جو ان کے مکمل اظہار اور نشو و ارتقاء کے لئے خاص طور پر سازگار ہوں، اس وقت تک وہ آشکار نہیں ہوتیں۔ سینکڑوں شاہ ولی اللہ اور غزالی ایسے ہوں گے جو سازگار حالات نہ پانے کی وجہ سے شاہ ولی اللہ اور غزالی نہیں بن سکے۔ اگر ہم بہت سے ذہین، اعلیٰ تعلیم یافتہ اور اسلام دوست نوجوانوں کو ایسے حالات مہیا کر دیں جو اسلامی تحقیق کی قابلیتوں کی نشو و نما کے لئے موافق ہوں تو کوئی وجہ نہیں کہ اس میں سے چند نہایت عمدگی اور کامیابی کے ساتھ اسلامی تحقیق کا وہ کام انجام نہ دے سکیں جس کے بغیر ہماری بقا خطرہ میں ہے۔

اسلامی تحقیق کے فاضل کی ضروری علمی قابلیتیں:

چونکہ اسلامی تحقیق کا مقصد یہ ہے کہ دورِ حاضر کے غلط فلسفیانہ نظریات اور تصورات نے اسلام کو جو چیلنج دے رکھا ہے اس کا تسلی بخش جواب مہیا کیا جائے، لہذا جدید فلسفیانہ تصورات کا علم اور فہم اور جدید فلسفیانہ طرز استدلال کی واقفیت اور مہارت اسلامی تحقیق کے فاضل کی ضروری قابلیتیں شمار ہوں گی۔ اس کے علاوہ یہ بھی ضروری ہے کہ وہ سائنسی علوم مثلاً طبیعیات، حیاتیات، اور نفسیات سے ایک عام واقفیت رکھتا ہو، بالخصوص ان علوم کی ان ترقیوں سے جو اس بیسوی صدی میں رونما ہوئی ہیں

یہاں تک آشنا ہو کہ ان کے فلسفیانہ مضمرات اور نتائج کو سمجھ کر کام میں لا سکے۔ سائنس کی واقفیت سے اسے ایک اور فائدہ یہ حاصل ہوگا کہ وہ سائنسی طریق تحقیق اور طریق بیان کو سمجھنے کی وجہ سے اپنی طرزِ تحریر کو معقولیت اور برجستگی کے سانچوں میں ڈھال سکے گا۔ یہ کہنا ضروری نہیں کہ اسے کم از کم تحریری عربی زبان کی درجہ اول کی واقفیت حاصل ہونی چاہیے، کیونکہ یہ اس کی بنیادی ضرورت ہے۔ اس کے بغیر وہ قرآن اور حدیث اور فقہ کی کتابوں کے مطالب اور مضامین تک براہ راست دسترس نہیں پا سکتا۔ ایک اور خصوصیت جو اس کے لئے ضروری ہے وہ یہ ہے کہ وہ اسلام سے محبت رکھتا ہو اور اس کی عائد کی ہوئی اخلاقی اور دینی پابندیوں کو بطیب خاطر قبول کرتا ہو۔

وہ شخص جو ایک فلسفی کی تربیت، مہارت اور بصیرت سے بے بہرہ ہو اور آج تک کے تمام فلسفیانہ تصورات اور سائنس کے تازہ انکشافات کے فلسفیانہ مضمرات کی پوری واقفی نہ رکھتا ہو تو خواہ اسے قرآن اور حدیث اور فقہ اور علماء متقدمین کی تمام کتابیں ازبر ہوں وہ اصلی اسلامی تحقیق کے کام کو مطلقاً انجام نہیں دے سکتا، کیونکہ اس صورت میں وہ جان نہیں سکتا کہ ان تصورات پر اسلام کی تنقید کیا ہے۔

ظاہر ہے کہ ایسی قابلیتوں کے افراد پوری تعداد میں اور بآسانی میسر نہیں آسکتے۔ لہٰذا ضروری ہے کہ ہمارے ملک کا کوئی اسلامی تحقیق کا ادارہ کسی ایک فاضل کی رہنمائی میں، جو دوسروں سے زیادہ ان قابلیتوں کا مالک ہو، ہر سال چند موزوں تعلیم یافتہ افراد میں خاص تعلیم وتربیت کے ذریعہ سے ان قابلیتوں کو پیدا کرے تاکہ اسلامی تحقیق کا کام خاطر خواہ طریق سے جاری رہ سکے۔ ان افراد کو معقول تنخواہیں دی جائیں اور تعلیم وتربیت سے فارغ ہونے کے بعد ماہر تحقیق اسلامی کی معتبر سندیں دی جائیں۔

تحقیق اسلامی کی تعلیم وتربیت کے لئے ضروری نکات:

اسلامی تحقیق کے راہنما فاضل کو چاہیے کہ ہر فاضل پر جو اس کے زیرِ تربیت ہے، دورانِ تربیت اچھی طرح سے واضح کردے کہ اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ:

(۱) قرآن حکیم کی روح سے پوری طرح سے واقفیت پیدا کرے۔ اگر وہ قرآن کی روح سے واقف نہیں ہوگا تو اس کے لئے ناممکن ہوگا کہ وہ غلط فلسفیانہ تصورات کو صحیح فلسفیانہ تصورات سے ممیّز کر سکے۔ اس کے سارے تحقیقی اور تخلیقی کام کی اہمیت کا دارومدار اسی بات پر ہے کہ آیا وہ غلط تصورات کو صحیح تصورات سے ممیّز کر سکتا ہے یا نہیں۔ لہٰذا اسے اپنے وقت کا بہت سے حصہ قرآن وحدیث اور سیرتِ رسول ﷺ وصحابہ اور امت کے صلحا وصوفیاء کی سوانح حیات کے مطالعہ میں صرف کرنا ہوگا۔

(۲) ان فلسفیانہ نظریات اور تصورات سے پوری پوری واقفیت پیدا کرے جو اسلامی نظریہ انسان وکائنات سے مغائرت رکھتے ہیں اور جن کو اسے غلط اور بے بنیاد ثابت کرنا ہے۔

اس غرض کے لئے ضروری ہے کہ وہ ان نظریات اور تصورات کے اصلی ماخذ کا براہ راست اور ہمدردانہ مطالعہ کرے۔ جب تک ہم کسی کامیاب اور بڑے فلسفی کے افکار کا مطالعہ ہمدردانہ نقطۂ نگاہ سے نہ کریں ہم اس کو ٹھیک طرح سے نہیں سمجھ سکتے اور جب تک ہم اسے ٹھیک طرح سے نہ سمجھیں ہم اس کی غلطیوں کو آشکار نہیں کر سکتے۔

(۳) دورِ حاضر کے فلسفیانہ نظریات اور جدید سائنسی انکشافات کے فلسفیانہ مضمرات اور نتائج سے مکمل واقفیت پیدا کرے۔

(۴) اپنی تحقیق کے نتائج کو ضبطِ تحریر میں لاتے ہوئے یہ بات ذہن میں رکھے کہ دنیا بھر میں چوٹی کے غیر مسلم علماء اور حکماء اس کے مخاطب ہیں۔ کیونکہ صرف اسی صورت میں وہ زیرِ تحقیق علمی مسائل پر ایسے خالص سائنسی اور غیر جانبدارانہ نقطۂ نظر سے بحث کر سکے گا جو غیر مسلم اور مسلمان دونوں کے لئے یقین افروز ہو۔

(۵) اس بات کی کوشش کرے کہ جس غلط تصور کو وہ غلط ثابت کر رہا ہے اس کی جگہ صحیح تصور کو رکھے اور یہ صحیح تصور جس قدر سوالات پیدا کر رہا ہو ان سب کا تسلی بخش جواب دے۔ فلسفیانہ مسائل میں ایک منفی نقطۂ نظر یقین پیدا نہیں کر سکتا۔ لیکن جب کسی صحیح تصور کے پیدا کئے ہوئے تمام سوالات کا جواب دیا جائے تو ایک مکمل فلسفۂ کائنات وجود میں آجاتا ہے۔ بالخصوص ایسی حالت میں جب کہ وہ غلط تصورات جس کی جگہ یہ صحیح تصور لے رہا ہے کسی اور غلط فلسفۂ کائنات کا جزو ہو۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ جب تک وہ انسان اور کائنات کا ایک مکمل صحیح فلسفہ پیدا نہ کرے وہ کسی غلط فلسفیانہ تصور غلط ثابت نہیں کر سکتا۔

مثال کے طور پر جب تک وہ ایک ایسا اسلامی فلسفہ تاریخ پیدا نہ کرے جو عقلی اور علمی لحاظ سے مکمل طور پر قابل قبول ہو وہ بے خدا اشتراکی فلسفہ تاریخ کا ابطال نہیں کر سکے گا۔ پھر اس کا یہ اسلامی فلسفہ تاریخ بہت سے سوالات پیدا کرے گا جو اس کو فلسفہ کے اور مسائل میں کھینچ لائیں گے اور اگر وہ ان سوالات کا بھی جواب دے گا جیسا کہ اسے ضرور دینا چاہیے تو پھر اس کا فلسفہ تاریخ محض ایک فلسفہ تاریخ ہی نہیں رہے گا بلکہ کائنات کا ایک مکمل فلسفہ بن جائے گا۔ اسی طرح سے جب تک کہ وہ عمل ارتقاء کے سبب کا کوئی ایسا فلسفہ مہیا نہ کرے جو قرآن کے نظریہ انسان وکائنات کے ساتھ مطابقت بھی رکھتا ہو اور علمی اور عقلی نقطۂ نظر سے مکمل طور پر تسلی بخش بھی ہو اس وقت تک وہ ڈارون کے بے خدا میکانکی نظریۂ کائنات کی کامیاب تردید نہیں کر سکے گا۔ پھر اس کے قرآنی نظریہ تاریخ کی طرح اس کا قرآنی نظریہ ارتقاء بھی بہت سے سوالات پیدا کرے گا جن کا جواب ایک مکمل فلسفہ کائنات کی صورت اختیار کرے گا۔

(۶) جب وہ کسی غلط نظریہ کو غلط ثابت کرتے ہوئے بعض تصورات کو درست قرار دے کر ان کی مدد لے تو کسی دوسرے نظریہ کو غلط ثابت کرتے ہوئے ان کو غلط قرار نہ دے۔ اسی طرح سے جب وہ کسی صحیح قرآنی تصور کو درست ثابت کرتے ہوئے بعض تصورات کو غلط قرار دے دے تو پھر کسی دوسرے صحیح قرآنی تصور کو درست ثابت کرتے ہوئے ان کو صحیح قرار نہ دے۔ اور پھر جب وہ کسی غلط تصور کو غلط ثابت کرتے ہوئے بعض تصورات کو غلط قرار دے دے تو کسی اور تصور کو غلط ثابت کرتے ہوئے ان کو درست قرار نہ دے۔ اس کے برعکس اس کے لئے ضروری ہے کہ ہر تصور کے بارے میں ایک ہی موقف پر قائم رہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ کسی تصور کے درست یا نادرست ہونے کے بارہ میں وہ ایک ایسا موقف اختیار کرے جس سے وہ ہر حالت میں وابستہ رہ سکتا ہو۔ دوسرے لفظوں میں وہ اس بات کو اچھی طرح سے سمجھ لے کہ مختلف غلط نظریات اور تصورات کو غلط ثابت کرنے کی جو کوشش وہ کرے گا وہ اسی صورت میں بے خطا اور کامیاب ہوگی جب وہ ان سب کی تردید کے لئے صرف ایک ہی نظریہ کائنات کو، جو ظاہر ہے کہ صحیح اور قرآنی نظریہ کائنات ہی ہوگا، کام میں لائے گا۔ اس صورت میں اس کے اسلامی نظریہ تاریخ کو مکمل کرنے والا فلسفہ کائنات، جن کا ذکر اوپر الگ الگ کیا گیا ہے، دونوں ایک دوسرے سے ذرہ بھر مختلف نہیں ہوسکتے اور دونوں ایک ہی ہوں گے۔

صحیح فلسفۂ کائنات صرف ایک ہے اور وہ اسلام کا فلسفۂ کائنات ہے:

اسلام کے ضمن میں جب فلسفہ کا ذکر آتا ہے تو بعض مسلمان یہ کہا کرتے ہیں کہ اسلام کا فلسفہ سے کوئی تعلق نہیں۔ یہ خیال بہت بڑی غلطی ہے۔ حکمت اور فلسفہ ایک ہی چیز کے دو نام ہیں۔ قرآن مجید حکمت کی کتاب ہے اور ''حکیم'' خدا کے اسمائے حسنیٰ میں سے ایک ہے۔ فلسفی صداقت کی تلاش کرتا ہے کیونکہ صداقت کے اندر ہی یہ صلاحیت ہے کہ وہ علمی اور عقلی لحاظ سے درست ہو اور درست ثابت کی جاسکے۔ فلسفی صداقت کی تلاش میں مارا مارا پھرتا ہے اور اسے صداقت نہیں ملتی۔ لیکن خدا تو بات ہی وہ کہتا ہے جو از سر تا پا صداقت اور حق ہوتی ہے (وَقَوْلُهُ الْحَقُّ) لہٰذا اگر خدا کی بات حکمت نہیں تو کس کی بات حکمت ہے؟ پھر فلسفی کائنات کے بھید کو تلاش کرتا ہے اور اسے نہیں ملتا۔ یہی سبب ہے کہ وہ اپنے فکر اور استدلال میں غلطیاں کرتا ہے۔ لیکن خدا وہ ہے جو کائنات کے بھید کو جانتا ہے، وہ دوسرے فلسفیوں کی طرح سرِّ کائنات سے ناآشنا نہیں کہ اس کی بات سچی اور بے خطا حکمت نہ ہو۔ اس بنا پر وہ دعویٰ کرتا ہے کہ اس کی بات سچی ہے۔ ﴿قُلْ اَنْزَلَهُ الَّذِی یَعْلَمُ السِّرَّ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ﴾ قرآن حکیم مجمل حکمت کائنات ہے اور اس کی تفصیل اور تشریح بھی جو تا قیامت ہوتی رہے گی، حکمت کائنات ہے۔ یہی تشریح اور تفسیر کتاب حکمت ہے۔ جسے حضور ﷺ نے بھی سکھایا: ﴿یُعَلِّمُهُمُ الْکِتٰبَ وَالْحِکْمَةَ﴾ اور جسے خدا کے وہ بندے جنہیں خیر کثیر

عطا ہوگی تا قیامت سکھاتے رہیں گے۔ ﴿وَ مَنْ یُّؤْتَی الْحِکْمَةَ فَقَدْ اُوْتِیَ خَیْرًا کَثِیْرًا﴾ اور جسے تبلیغ دین کے لئے کام میں لانے کا حکم دیا گیا ہے۔ ﴿اُدْعُ اِلٰی سَبِیْلِ رَبِّکَ بِالْحِکْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ﴾۔

ہم یہ تو کہہ سکتے ہیں کہ دنیا میں صرف ایک فلسفہ صحیح ہے اور باقی سب فلسفے غلط ہیں اور صحیح فلسفہ وہ ہے جو قرآن حکیم پر مبنی ہو اور جو خدا کے عقیدہ سے آغاز کرے اور خدا کے عقیدہ پر ختم ہو، لیکن ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ اسلام کا فلسفہ سے کوئی تعلق نہیں۔ اگر اسلام ایک فلسفہ نہیں تو وہ دورِ حاضر کے فلسفوں کا جواب بھی نہیں دے سکتا۔ اور مسلمان ان غلط فلسفوں سے اپنی حفاظت نہیں کر سکتے اور اس کو ساتھ لے کر اسلام کی تبلیغ اور اشاعت نہیں کر سکتے اور باطل فلسفہ کے پرستاروں کو مشرف با سلام نہیں بنا سکتے۔ لیکن قرآن تو نازل ہی اس لئے ہوا ہے کہ لوگ جن باتوں میں اختلاف کرتے ہیں ان کا فیصلہ کرے۔ جب ہم ایک معمولی آدمی سے ایسی بات کی توقع کرتے ہیں جو علم اور عقل کے معیاروں درست بیٹھتی ہو تو کیا خدا جو بات کرتا ہے اس سے یہ توقع نہیں رکھ سکتے۔ اگر خدا کی بات ان علمی اور عقلی معیاروں کے مطابق ہے جو انسان کے دل میں رکھے گئے ہیں تو پھر ان معیاروں کے مطابق خدا کی بات کھول کر بیان کرنا اسلام کا فلسفہ ہے جو اس زمانہ کے باطل نظریات کا جواب ہے اور ہمارے ایمان کا محافظ اور ہمارے ظن و شک کا علاج ہے۔ اس میں شک نہیں کہ دین اسلام عمل کے کچھ قواعد اور ضوابط پر مشتمل ہے لیکن یہ قواعد اور ضوابط بے معنی نہیں بلکہ قدرت کے غیر مبدّل قوانین پر مبنی ہیں جو فطرتِ انسانی سے تعلق رکھتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ یہی قواعد اور ضوابط خود بھی غیر مبدل ہیں۔

﴿فِطْرَةَ اللّٰهِ الَّتِیْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَیْهَا ، لَا تَبْدِیْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ ، ذٰلِکَ الدِّیْنُ الْقَیِّمُ......﴾

اگرچہ ایک ٹیلی ویژن سیٹ کا مالک جو اپنے سیٹ کے استعمال کے طریقے جانتا ہے اس سے پورا فائدہ اٹھا سکتا ہے، لیکن جب تک وہ ان قوانین قدرت کو نہیں جانتا جن پر یہ طریقے مبنی ہیں، وہ ٹیلی ویژن کا عالم یا ماہر نہیں سمجھا جا سکتا، کیونکہ وہ کسی شک کرنے والے کو یہ نہیں سمجھا سکتا کہ ٹیلی ویژن کیوں اور کس طرح سے کام کرتا ہے۔ اسی طرح سے جو شخص ان قوانینِ قدرت کو نہیں جانتا جن پر اسلام کے قواعد و ضوابط مبنی ہیں وہ اس وقت تک اسلام کی پوری واقفیت سے بہرہ ور نہیں ہوسکتا اور مسلم اور غیر مسلم مفکرین کو کامیابی کے ساتھ اسلام کی دعوت نہیں دے سکتا۔ ان قوانین قدرت کا علم ہی اسلام کا فلسفہ یا حکمتِ دین ہے۔

حکمتِ دنیا فزاید ظن و شک
حکمتِ دینی برد فوق و فلک (رومی)